رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

جلد ۵۸، عدد ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵- اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور (پاکستان)

سالانہ چندہ ۶ روپے قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۵۸	ستمبر ۱۹۶۲ء	عدد ۶

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن

اچھرہ۔لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جماعت اسلامی کی عالمی مجلس کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا جو پہلا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اُس میں ملک کی موجودہ صورتِ حال پر جس نپے تُلے انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے وہ اس ملک کے ہر بہی خواہ کے لیے اپنے اندر غور و فکر کا بہت سا سامان رکھتا ہے۔ آج ہم ان صفحات میں اسی تبصرہ کے بارے میں چند گزارشات پیش کریں گے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، امیر جماعت اسلامی پاکستان نے سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس ملک میں جو طبقے اسلامی نظام کی آمد کے مخالف رہے ہیں اور اس نظام کو اپنے لیے مہلک سمجھتے رہے ہیں اُن کے اندر تقسیم کے بعد ہی یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ اگر یہاں جمہوری نظام قائم ہو گیا تو پھر یہاں اسلامی نظام کو قائم ہونے سے کوئی شے نہیں روک سکتی۔ چونکہ ملک کی عظیم اکثریت اسلام ہی چاہتی ہے اس لیے انہوں نے سمجھا کہ جمہوری نظام میں وہی لوگ منتخب ہو کر آئیں گے جو یہاں دینِ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ تجربہ نے انہیں بتا دیا کہ ساری دھاندلیوں کے باوجود نہ ان لوگوں کو آنے سے روکا جا سکتا ہے اور نہ انتخاب میں ان کی تعداد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ اس ملک میں اگر سیکولر نظام چلانا ہے تو اس کے لیے آمریت کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک اقلیت اگر کسی ملک میں اکثریت کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی کا نظام

نافذ کرنا چاہیے تو اس کے لیے جمہوریت نہیں بلکہ آمریت ہی کا طریقہ زیادہ موزوں ہے"

اس اقلیت کو اکثریت پر مسلط کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُن لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو ملک کے نظم و نسق چلانے کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ ہمارے اس ملک میں یہی کچھ ہوا کہ عوام کے ان خادموں کو جو قوم کے خزانے سے پوری ملت کی خدمت کے صلے میں تنخواہ حاصل کرتے ہیں، ان کی پیٹھ ٹھونکی گئی اور انہیں شہ دی گئی کہ وہ جوتے کے زور سے برسرِ اقتدار طبقے کی مرضی قوم پر ٹھونسنے کی کوشش کریں۔ اس صورتِ حال کے متعلق مولانا نے فرمایا:

"اگر سیاسی لیڈروں کے پیشِ نظر جمہوریت کا قیام ہوتا تو اس کا سیدھا اور صاف طریقہ یہ تھا کہ ملک کا دستور بلا تاخیر مرتب کیا جاتا اور اس کی بنیاد پر ملک میں عام انتخابات منعقد کرائے جاتے اور عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ملک کا نظام دے دیا جاتا لیکن یہ وہ لوگ تھے جنہیں محض اتفاقِ زمانہ سے اقتدار مل گیا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ہم قوم کی مرضی کے پابند کیوں بنیں۔ اپنی آمریت کیوں نہ قائم کریں اور اس ملک کو اپنی جاگیر بنا کر رکھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے طے کیا کہ بیوروکریسی کو آلۂ کار بنا کر اُس کی مدد سے اپنے آپ کو قوم پر مسلط کیا جائے اور اسی کے ذریعے سے اپنی مرضی کے لوگوں کو انتخابات میں کامیاب کرایا جائے۔ اس کا پہلا موقع انہیں سنہ ۱۹۵۱ء میں ملا اور انہوں نے بیوروکریسی کی طاقت کو پوری طرح استعمال کر کے اپنے حسبِ منشا نمائندے منتخب کرائے۔ عوام کو اپنی مرضی کے نمائندے چننے کا کوئی موقع انہوں نے نہ دیا۔"

سیاسی لیڈروں کا یہ طرزِ عمل ملک اور قوم کے لیے ہمیشہ بڑے افسوسناک بلکہ خوفناک نتائج کا حامل رہا ہے۔ اس کا پہلا اثر یہ پڑتا ہے کہ ملک کا نظم و نسق چلانے والے سیاسی کھیل میں براہِ راست شریک ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کی وہ غیر جانبدارانہ حیثیت قائم نہیں رہتی جو نظم و نسق کے قائم کرنے کے لیے اشد ضروری ہے۔ جب ملک کا انتظام اور

انصرام کرنے والے خود ہی سیاسی دھڑے بندیوں کا شکار ہو جائیں تو اُن کی حیثیت لازمی طور پر ایک فریق کی سی بن جاتی ہے۔ پھر اُن کی قابلیتیں اور صلاحیتیں اپنے سرکاری فرائض کو دیانتداری کے ساتھ سرانجام دینے کی بجائے سیاسی جوڑ توڑ میں صرف ہونے لگتی ہیں۔ وہ کبھی ایک ٹولی کا آلۂ کار بن کر دوسری ٹولی کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی دوسری ٹولی کا ساتھ دیکر پہلی کو زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ اس طرح ملک کا پورا نظم و نسق درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان کارندوں کی ساری تگ و تاز کا محور یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنے محسن اور محبوب دھڑے اور اس کے مختلف کارکنوں کو ملک میں سیاسی تفوق حاصل کروانے میں کامیاب ہوں، کیونکہ ان کی بالادستی سے انہیں مختلف قسم کی ناجائز مراعات حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا دھڑا کامیاب ہو گیا تو پھر ان پر عرصۂ حیات تنگ ہونا شروع ہو گا اور وہ ناکردہ گناہوں کی پاداشں میں دھر لیے جائیں گے۔

یہ افسوسناک صورتِ حال قوم کے ان خدمت گزاروں کو نہ صرف تعصب، خود غرضی اور پارٹی بازی جیسے مہلک امراض میں مبتلا کرتی ہے بلکہ اُن کے اندر وہ اطمینانِ قلب بھی پیدا ہونے نہیں دیتی جو کسی اچھے اور مستند سرکاری کارکن کے لیے بنیادی صفت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بیچارے کوئی قدم بھی عزم اور وثوق کے ساتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اپنے محسنوں کے دھڑوں کو انتشار سے بچانے کے لیے اور اُن کے اقتدار کے حفظ و بقا کے لیے انہیں قدم قدم پر اپنے فیصلوں پر نظرثانی کرنی پڑتی ہے۔ اُن کے سامنے ایک گروہ دوسرے پر ظلم ڈھاتا ہے لیکن یہ اپنی مخصوص مصلحتوں کی وجہ سے نہ صرف خاموش رہتے ہیں بلکہ اُس ظلم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ چور، قاتل، اور عزت و آبرو کے لٹیرے بے خوف و خطر لوگوں کے جان و مال عفت و عصمت پر ہاتھ ڈالتے ہیں لیکن چونکہ اُن کا تعلق اپنے کرم فرماؤں کے کیمپ سے ہوتا ہے اس لیے اُن سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کی جاتی بلکہ بعض حالات میں تو اُلٹے انصاف کے طلبگاروں پر دستِ ظلم دراز کیا جاتا ہے۔ اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

ملک میں جرائم کی رفتار تشویشناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ چوری، اغوا، رہزنی، ڈاکہ، قتل وغارت، بلیک مارکیٹ، رشوت ستانی اور سمگلنگ کی وارداتیں ہمارے معاشرتی زندگی کا معمول بن چکی ہیں اور ان کی روک تھام کی کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی اور جب کبھی ان کے متعلق سنجیدگی سے غور کیا گیا تو اُس وقت بھی گروہی عصبیتیں آڑے آتی ہیں اور مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کی تجاویز اور برسرِ اقتدار لوگوں کی یقین دہانیاں اور اُن کے بلند بانگ دعوے عملی زندگی میں کسی جہت سے بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے اور امن پسند شہریوں کے دلوں میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے بارے میں جو خدشات اور خطرات موجود ہیں ان میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی بلکہ اُن کا خوف وہراس مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

جس ملک کے باشندوں کو اس بات کا خوف لاحق ہو کہ قانون کے محافظ اور نظم و نسق کے پاسباں اُن کی جان و مال کی حفاظت کرنے کی پُوری قوت اور اہلیت نہیں رکھتے، وہ کبھی بھی اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ کسی مملکت کے غریب شہریوں کو اگر ہر وقت جان کے لالے پڑے رہیں اور اُن کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو چکا ہو کہ اس ملک میں قانون محض امرا اور صاحبِ حیثیت لوگوں کے مفادات کی حفاظت کرنے کے لیے نافذ کیا گیا ہے، غریبوں، ناداروں اور بے کسوں کے لیے اس کی حیثیت خس و خاشاک سے بھی کم ہے، ان کے دل میں اگر مملکت اور اربابِ حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات موجزن ہو جائیں تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔

پھر اس معاملہ کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ریاست اور اربابِ حکومت کے درمیان جو بیّن فرق ہے عوام اُسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ سیاسی شعور ابھی پختہ نہیں ہوا اس لیے اربابِ اقتدار کی طرف سے ہر قسم کے جبر، ناانصافی اور معاشی استحصال کو وہ سیاست کی عدم توجہی بلکہ اس کے جور و جفا پر محمول کرتے ہیں اور اصحابِ اقتدار کے مظالم

کے خلاف جو احساس بیدار ہوتا ہے وہ بالآخر ملک و ملت سے بیزاری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہمیں یہ منحوس دن دیکھنا پڑے۔

ممکن ہے کہ ایک پڑھے لکھے شخص کے نزدیک جس کا سیاسی شعور پختہ ہو چکا ہے محض آزادی کا تصور اپنے اندر کشش اور دلچسپی کا پورا سامان رکھتا ہو اور وہ اس کے تصور سے ہی اس کی قدر و قیمت پہچاننے میں کامیاب ہو جائے لیکن عوام الناس کا شعور اس قسم کی خیال آرائی کا متحمل نہیں ہوتا۔ اُن کے لیے یہ الفاظ اُسی صورت میں کچھ معنی خیز ہوتے ہیں جب اُن کے عملی مضمرات ظاہر ہونے لگیں گے۔ آزادی اپنے محسوس اور متعارف فوائد کے بغیر اُن کے لیے خواب پریشان سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ لفظ اُن کے لیے اُسی وقت قابلِ قدر ہے جب یہ اُن کے لیے قلبی سکون اور جسمانی راحت کا سامان فراہم کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ صرف آقاؤں کی تبدیلی اُن کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ آزادی جب پیکرِ محسوس میں ڈھل کر لوگوں کے دل و دماغ کو مختلف قسم کی پریشانیوں اور اُن کے جسموں کو مختلف نوعیتوں کی تکلیفات سے بچاتی ہے تو پھر انہیں اس کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر آزاد ہونے کے بعد وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اُن کی دلی آرزوں اور تمناؤں کی تکمیل ہو رہی ہے اور جس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دی ہے وہ مقصد قریب آ رہا ہے تو پھر انہیں اطمینان ہوتا ہے اور وہ ماضی کی ساری محرومیوں کو آہستہ آہستہ فراموش کر دیتے ہیں لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے بعد اُن پر اُن کی خواہشات اور زندگی تنگ ہو رہی ہے۔ امنگوں کا خون ہو رہا ہے تو اُن کے سارے زخم پھر تازہ ہو جاتے ہیں اور اُن کے اندر اپنی ناکامی اور نامرادی بلکہ بربادی کا شدید احساس اُبھرتا ہے جو انہیں یاس و قنوطیت کی تصویر بنا دیتا ہے۔ انہیں اپنے آپ سے، اپنے ملک سے اور اپنی ملت سے کسی قسم کی دلچسپی اور وابستگی نہیں رہتی اور وہ مایوس ہو کر ہمت ہار دیتے ہیں۔ وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے

بعد اُن کی بگڑی نہیں بنی، وہ اُسی طرح ظلم و استبداد کا شکار ہیں جس طرح کہ پہلے تھے، بلکہ اس میں کچھ اضافہ بھی ہوا ہے، تو وہ پھر آزادی جیسی نعمت کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے اور ان میں سے بعض دلھی تو یہاں تک کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس آزادی سے تو غلامی بہتر تھی۔

یہ صورتِ حال خواہ کتنی ہی افسوسناک ہے اور یہ حقیقت خواہ کتنی تلخ ہو لیکن یہ بہرحال ایک امرِ واقعہ ہے جسے ملک و ملت کا کوئی خیر خواہ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ خواب و خیال کی دنیا میں رہنے والے جو چاہیں کہتے رہیں لیکن وہ لوگ جو ایوانوں اور محلات میں رہنے کی بجائے عوام کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں

اُن کی تکالیف اور مصائب سے پوری طرح آگاہ ہیں، اُن کے دل کی دھڑکنوں کو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں، وہ اس حقیقت کو پوری طرح جانتے ہیں کہ عوام کے اندر امید و رجا کی وہ کرن جس نے اُن کی حیات کو منور کر رکھا تھا وہ آہستہ آہستہ بے نور ہو رہی ہے۔ اور اس کے بے نور ہو جانے کی وجہ سے اُن کی دل کی دنیا تاریک ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ چیز ملک و ملت کے لیے انتہائی پریشان کن ہے

کسی قوم کی تعمیر و ترقی، عقل و جذبہ دونوں کی رہینِ منت ہے۔ عقل کا نور اس کے سامنے مقصد کو روشن اور واضح کرتا ہے اور جذبات کے شعلے اُس کے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جن کی مدد سے اُس قوم کے اندر حرکت نمودار ہوتی ہے، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک راہ پر لگانے کی امنگ اور آرزو پرورش پاتی ہے۔ عزم پروان چڑھتا ہے اور وہ قوم مصائب کے طوفانوں سے نبرد آزما ہونے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

عقل کی بے نوری قوموں کے اندر فکری انتشار کی راہ ہموار کرتی ہے اور وہ آشفتہ سر ہو کر اِدھر اُدھر اندھیرے میں بھٹکنے لگتی ہیں۔ لیکن جذبات کی افسردگی قوموں کے لیے بربادی کا پیغام ہے اس کے چھا جانے کے بعد اُن کی عملی قوتیں یکسر فنا ہو جاتی ہیں، ان کے اندر کسی بلند و بالا نصب العین

سے محبت اور اس کے حصول کی تڑپ باقی نہیں رہتی، ایسی قومیں پھر قومیں کہلانے کی مستحق نہیں ہوتیں بلکہ لاشوں کے ڈھیر کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں جن کا دنیا میں وجود نوع بشری کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ نہیں بلکہ عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ اُن کے منتشر خیالات کی وجہ سے افکار و نظریات کی فضا متعفن ہوتی ہے اور اعمال کی دنیا میں خطرناک قسم کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں۔

دنیائے اسلام کا فکری اور عملی انحطاط اسی افسوسناک صورتِ حال کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہم گراوٹ کی کس منزل میں ہیں لیکن یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ فکری انتشار اور عملی جمود کے اثرات ہماری سیاسی، معاشرتی، روحانی اور اخلاقی زندگی میں پوری طرح نمایاں ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی ہمتیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں اور کام و دہن کی لذت کے علاوہ ان کے سامنے کوئی ارفع و اعلیٰ مقصد باقی نہیں رہا۔ اگر وہ زبان سے کسی ایسے مقصد کے وجود کا اقرار بھی کرتے ہیں تو یہ اقرار صرف زبان کی حد تک ہے، اُن کا اس مقصد سے کوئی قلبی اور روحانی تعلق اور لگاؤ محسوس نہیں ہوتا اور اس کے لیے جان و مال کی کوئی معمولی سے معمولی قربانی کرنے کے لیے بھی وہ اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔

افکار و نظریات اور جذبات و احساسات کی یہ تبدیلی کہیں یونہی محض اتفاق سے تو واقع نہیں ہو گئی۔ اس افسوسناک تغیر کے کچھ وجوہ ہیں اور ان میں ہمارے نزدیک سب سے بنیادی وجہ ہمارے اصحابِ اقتدار کی وہ غلط روش ہے جو انہوں نے اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت انہیں لا الٰہ الا اللہ کے جس پُرکشش اور انقلاب انگیز نعرہ پر جمع کیا گیا تھا وہ کوئی سیاسی سٹنٹ نہ تھا۔ لوگ اس نعرے کے مضمرات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ نعرہ ایک ہمہ گیر انقلاب کا اعلان، ایک صحت مند نظامِ زندگی کی دعوت، ایک حیات آفریں عہد کا عنوان اور تاریخ کے روشن ترین دور کی تجدید ہے۔ اس نعرہ کو لیکر انسانوں کا جو

گروہ دیانتداری سے آگے بڑھے گا وہ انسانیت کے لیے سراپا رحمت ثابت ہوگا۔ اس روشن دور کے طلوع ہو جانے کے بعد فکر و نظر کی تاریکیاں دور ہو نگی۔ انسانیت کے مقدس احساسات اور شریفانہ جذبات بیدار ہو نگے ظلم و استبداد روشنی کی کرنوں کو دیکھتے ہی خود بخود دبک کر بیٹھ جائے گا، انسان پر سے انسان کا تسلط ختم ہوگا۔ انسانوں نے اونچ نیچ کے جو غیر انسانی معیارات قائم کر رکھے ہیں وہ مٹیں گے، اُن کی سیاست میں خلوص، معیشت میں توازن اور معاشرت میں اعتدال پیدا ہوگا اور اس طرح ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خزاں کے ایک لمبے عرصہ کے بعد فصلِ بہار آئے گی۔ لیکن جس روشن دور کی توقع اور امیدمیں ہند و پاک کے مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دی تھیں، اس کے نقوش اُبھرنے کی بجائے ماند پڑتے جا رہے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا ہے ان پر مغرب پرستی کی تہیں جم رہی ہیں اور اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو کچھ عرصہ بعد ہی یہ نقوش دلوں سے بھی یکسر محو ہو جائیں گے اور آنے والا مؤرخ جب تحریک پاکستان کے محرکات کا تجزیہ کریگا تو وہ یہ بات برملا کہے گا کہ اس تحریک کی بنیاد تنگ نظری، تعصب اور سیاسی بصیرت کے فقدان پر تھی۔ پاکستان کا یہ سارا جھگڑا صرف چند اونچے عہدوں کی تقسیم کا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی مثبت جذبہ کام نہ کر رہا تھا۔ اور اسلامی نظامِ حیات کا جو نعرہ بلند کیا گیا تھا وہ سراسر ایک سیاسی فریب تھا جس سے غریب مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اُس بُرے دن سے بچائے جب لوگ ہمارے مقدس احساسات اور نیک آرزوؤں اور تمناؤں اور ہماری قومی جدوجہد کی اس طرح تکذیب کرنے لگیں لیکن بحقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اسلام سے ہمارے برسرِ اقتدار طبقے جس انداز سے انحراف کر رہے ہیں اور ان کے طرزِ عمل کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جو بددلی اور قنوطیت پھیل رہی ہے اس کا لازمی طور پر یہی نتیجہ رونما ہوگا۔ میں جب کبھی بھی اس حسرتناک انجام کا تصور کرتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آخر وہ بیشمار لوگ جنہوں نے انتہائی خلوص اور ایمانداری کے ساتھ صرف

اسلام کی سربلندی کی خاطر تحریک پاکستان کا ساتھ دیا تھا، جنہوں نے آگ اور خون کے سمندر سے اس مقدس مقصد کی تکمیل کے لیے گزرنا گوارا کیا، جن کے سامنے جب موت کا جام لایا گیا تو انہوں نے اسے حوض کوثر کا عطیہ سمجھتے ہوئے بڑے اشتیاق کے ساتھ منہ سے لگا لیا، اُن کی جب ماؤں، بہنوں، اور بہو بیٹیوں کی عزت لُٹی تو انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ چلیے ان کی جو بے حرمتی ہوئی ہے وہ تو ہو ہی گئی لیکن خطۂ پاک میں تو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ وہاں تو حوا کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کی پوری طرح حفاظت اور پاسبانی کی جائے گی وہاں انہیں ہر طرح کا ذہنی سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔ ان کی عفت بچانے کے لیے معاشرت کے ایسے پاکیزہ قوانین نافذ کیے جائیں گے کہ کسی شریر کا طائرِ وسوسہ بھی اُن کے حریم عصمت کی طرف پرواز نہ کر سکے گا۔ اس قسم کی اچھی توقعات کے بعد جب لوگوں کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آئے کہ پندرہ سال کے عرصہ میں اسی خطۂ پاک میں دو ہزار ایک سو اٹھتیس بدنصیب عورتوں کو اغوا کر کے اور انہیں مختلف اذیتیں دے دے کر اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ ہوس کاروں کی ہوس کا نشانہ بنیں اور عزت و آبرو جیسی متاعِ گراں مایہ کو جو ایک شریف انسان کے لیے اُس کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے اسے چند سکوں کے عوض بیچ کر آبرو باختہ لوگوں کے لیے سامانِ عیش فراہم کریں۔

پھر اسی خطۂ ارضی کے متعلق جب یہ روح فرسا خبر سامنے آتی ہے کہ پاکستان بننے کے بعد مسلم قوم کے اس حصار اور اُن کی امیدوں کے اس مرکز سے تین ہزار تیئیس بچوں کو ظالموں نے ماں کی محبت اور باپ کی شفقت سے محروم کیا۔ ان زندہ درگور ننھی منی جانوں میں دو ہزار پانچ سو سترہ معصوم کلیاں بھی ہیں، جنہیں مسلنے کے لیے یہ سارا شرمناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

یہ اعداد و شمار جو اوپر پیش کیے گئے ہیں انہیں کسی محنت اور تلاش و جستجو کے بعد مرتب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری معاشرتی زندگی کے یہ لاتعداد جرائم میں سے صرف ایک جرم ہے جس سے ہمارے اخبار ہر روز بھرے رہتے ہیں۔ پھر یہ وہ اعداد ہیں جو حکومت کے ریکارڈ سے اخذ کیے گئے

ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد اُن بے کس والدین کی بھی ہے جن بیچاروں کی پولیس اسٹیشن تک بھی رسائی ممکن نہ ہوئی۔ اور وہ اپنے بچوں کی جدائی میں اندر ہی اندر گھل گھل کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مایوسی واقعی ایک بہت بڑا گناہ ہے، سنسنی خیز باتیں کرنا فی الواقع ملک وملت کی کوئی خیر خواہی نہیں، لیکن حقیقتِ حال کو یکسر جھٹلا کر محض برسرِ اقتدار طبقوں کو خوش کرنے کی غرض سے یہ کہتے چلے جانا کہ "یہاں ہر طرح خیریت ہے صرف آپ کی خیریت خداوند تعالیٰ سے نیک مطلوب ہے"، یہ ایک ایسا شرمناک جرم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں قیامت کے دن جو رسوائی ہوگی وہ تو بہر حال ہوگی لیکن تاریخ بھی ہمارے اس جرم کو کبھی معاف نہ کریگی۔ حقیقتِ حال سے یہ احمقانہ چشم پوشی اور حقائق سے یہ مجرمانہ تغافل حالات کو رُو بہ اصلاح نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر مزید بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہم یہ بات کسی عداوت کے جذبہ سے نہیں بلکہ برسرِ اقتدار طبقہ کے ساتھ محض جذبۂ خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ خدارا اپنی آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیا دُور دُور تک بھی کہیں روشنی کے نشانات ملتے ہیں اور کیا اس بات کی تم نے کوئی امید باقی چھوڑی ہے کہ ہم یہ سمجھ کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو جائیں کہ اس تاریکی کے پیچھے سے اسلام کا آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ ماحول پر ہر طرف تاریکیاں چھا رہی ہیں۔ امیدوں کے ستارے جو مدتِ دراز سے ہمارے سامنے جھلملا رہے تھے وہ ایک ایک کر کے ڈوب رہے ہیں۔ ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کی کشتیاں یکے بعد دیگرے مخالفتوں کے طوفانوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ ان حالات کو جانتے بوجھتے اگر ہم یہ کہتے رہیں کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے اور اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں تو یہ رجائیت نہیں بلکہ ابلہ فریبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی رجائیت سے جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملتے ہوں، محفوظ رکھے۔

اس ملک پر جو دن بھی آتا ہے وہ غریبوں اور بے کسوں کے لیے کوئی خوشی اور مسرت کا پیغام نہیں لاتا بلکہ اُن کی پریشانیوں میں اضافے کی خبر لاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کے عوام کے لیے دنیاوی اسباب میں سب سے بڑا سہارا اُس ملک کی عدلیہ ہوتی ہے۔ یہ وہ آخری پناہ گاہ ہے جس کے سایہ میں ظلم سے ستائے ہوئے لوگ آکر سکون حاصل کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں عدلیہ کو ہر قسم کی سیاسی کشمکش سے بالاتر رکھا جاتا ہے تاکہ لوگوں کا اس کے بارے میں اعتماد کہیں متزلزل نہ ہونے پائے۔ اگر ان کا اس آخری سہارے پر بھی بھروسہ باقی نہ رہے تو پھر وہ اپنے مفادات اور حقوق کی حفاظت اور اپنے مستقبل کے متعلق قطعی طور پر مایوس ہو جاتے ہیں یہ عدالتیں درحقیقت پریشان حال لوگوں کی آخری امید اور جور و جفا کے خلاف آخری ڈھال ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک کی اونچی عدالتوں نے بڑے نامساعد حالات میں یہ مقدس فرض سرانجام دیا ہے۔ ان کے ساتھ ہماری بڑی اچھی روایات وابستہ رہی ہیں۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے اس ملک میں بچھا ہوا استبداد ماضی میں بے لگام نہیں بن سکا اور جب کبھی اس نے حد سے بڑھنے کی ناپاک کوشش کی تو ان عدالتوں نے اُسے نہایت احسن طریق سے روکا۔ لیکن اب حالات نے جو نئی کروٹ لی ہے اور جس طریق سے بعض لوگوں کو سیاسی رشوت کے طور پر ان عدالتوں کے اونچے مناصب بانٹے جا رہے ہیں اُس سے نہ صرف عدلیہ کا وقار ختم ہوگا بلکہ عوام کو ان پر جو غیر معمولی اعتماد ہے اُسے بھی سخت صدمہ پہنچے گا اور اس وجہ سے اُن کے اندر مزید بددلی اور مایوسی پیدا ہوگی ؎

وہی قاتل، وہی شاہد، وہی منصف ٹھیرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اس صورت حال کے متعلق جس تشویش کا اظہار کیا ہے، وہ حالات کی بالکل صحیح صحیح نشان دہی ہے اور اس ملک کے ہر بہی خواہ کو مضطرب

کرنے والی ہے۔ شوریٰ نے اپنی قرارداد میں بڑے واشگاف الفاظ میں کہا ہے:

"ایک مدت سے ہمارے ہاں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قانون پاس کرتے ہوئے بالعموم ایک دفعہ اس مضمون کی رکھ دی جاتی ہے کہ اس قانون کے تحت جو احکام جاری ہوں ان کو کسی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روز بروز عدالتوں کو انصاف طلب معاملات سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔

جمہوریت کی بہت سی مسلمہ روایات توڑی جا رہی ہیں جو حاکمانِ عدالت کو غیر جانب دار رہ کر بے لاگ انصاف کرنے کے قابل بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ آج ہمارے ہاں عدالتِ ہائے عالیہ کے ججوں کو اس لالچ میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ وہ ریٹائر ہونے کے بعد دوسرے عہدے حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ انتظامیہ کو خوش رکھیں۔ یہ چیز کم از کم ایسے معاملات میں بہت سے ججوں کی غیر جانبداری کو متاثر کر سکتی ہے جس میں انتظامیہ یا اس کے با اثر لوگوں پر انصاف کی زد پڑتی ہو۔

ایک طرف منظورِ نظر ججوں کو سیاسی دائرے میں لایا جا رہا ہے اور دوسری طرف سیاسی دائرے کے لوگوں کو ان کی خدمات کے صلے میں عدالتی عہدے عطا کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آخر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عدالتیں سیاست بازی کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور ان کا وقار و اعتبار برقرار رہ سکے۔ افسوس ہے کہ ان حالات نے ہمارے عدالتی نظام کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ان کے نہایت ہی بُرے اثرات پہلی بار اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ اب صاف محسوس ہونے لگا ہے کہ انتشار کا وہی روگ اس شعبے میں بھی آ گھسا ہے جو ملک کے دوسرے شعبوں میں پھیل رہا تھا۔

تفہیم القرآن (جلد سوم)

سورۃ الکہف تا سورۃ الروم

الحمدللہ، تفہیم القرآن جلد سوم جیسے جیسے تیار ہوتی جارہی ہے، ترتیب وار فرمائشوں کی تعمیل ہو رہی ہے۔ جولائی میں اعلان کیا گیا تھا کہ خریدار حضرات کو ۵/- روپے فی جلد پیشگی بذریعہ منی آرڈر تجدید فرمائش کے ہمراہ بھیجنا ازحد ضروری ہے۔ جن حضرات کی طرف سے پیشگی ابھی موصول نہیں ہوئی وہ پیشگی ارسال فرمادیں تاکہ فرمائشوں کی تعمیل میں ترتیب قائم رہے۔ جلد سوم کاغذ، کتابت، طباعت اور ظاہری محاسن کے لحاظ سے پہلی دونوں جلدوں سے بہت عمدہ ہے۔

جلد سوم میں جغرافیائی نقشوں کے علاوہ ارض القرآن کی متعدد عکسی فوٹو آرٹ پیپر پر شائع کی گئی ہیں۔

جلد سوم پہلی ہر دو جلدوں سے زیادہ ضخیم ہے پہلا اڈیشن قسم اول اعلیٰ کرنافلی سفید کاغذ پر طبع ہوا ہے۔

ھدیہ: ۲۷٫۵۰ روپے محصولڈاک ۱٫۷۵ روپے

مکتبہ تعمیر انسانیت۔ گوجر گلی۔ موچی دروازہ۔ لاہور ۸

خریداران ترجمان القرآن سے التماس

۱۔ چندہ کے منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ صاف خوشخط لکھیے (خصوصاً ڈاک خانہ اور ضلع کا نام انگریزی کے بڑے حروف میں درج کیجیے)۔ سابق نمبر خریداری بھی۔

۲۔ تبدیلی پتہ کی فرمائش مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک دفتر کو پہنچ جانی چاہیے جس میں پہلا اور نیا تبدیل شدہ پتہ دونوں مع نمبر خریداری کے حوالہ کے تحریر ہوں۔

۳۔ اجراء کے لیے رسالہ کے لیے پیشگی چندہ بھیجیے یا وی۔ پی کی اجازت دیجیے قرض یا وعدہ پر رسالہ جاری نہیں کیا جاتا۔ اگر خدانخواستہ آپ ان گزارشات کو نظرانداز کریں گے تو دفتر کی مجبورانہ کوتاہیوں کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

منیجر

تفہیم القرآن

سبا

(۴)

[۳۸] اے نبی، اِن مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اپنے اُن معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو[۳۹]۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔ اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اُس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو[۴۰]۔ حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ

---

[۳۸] پچھلے دو رکوعوں میں آخرت کے متعلق مشرکین کے غلط تصورات پر کلام فرمایا گیا تھا۔ اب تقریر کا رُخ تردیدِ شرک کے مضمون کی طرف پھر رہا ہے۔

[۳۹] یعنی اللہ تو یوں اشخاص اور اقوام اور سلطنتوں کی قسمتیں بناتا اور بگاڑتا ہے، جیسا کہ ابھی تم داؤد و سلیمان علیہما السلام اور قومِ سبا کے ذکر میں سُن چکے ہو۔ اب ذرا اپنے ان بناوٹی معبودوں کو پکار کر دیکھ لو، کیا اُن میں بھی یہ طاقت ہے کہ کسی کے اقبال کو ادبار سے، یا ادبار کو اقبال سے بدل سکیں؟

[۴۰] یعنی کسی کا خود مالک ہونا، یا ملکیت میں شریک ہونا، یا مددگارِ خدا ہونا تو درکنار، ساری کائنات میں کوئی ایسی ہستی تک نہیں پائی جاتی جو اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کے حق میں بطورِ خود سفارش کر سکے۔ تم لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوتے ہو کہ کچھ خدا کے پیارے ایسے ہیں، یا خدا کی خدائی میں کچھ بندے ایسے زور آور ہیں کہ وہ اڑ بیٹھیں تو خدا کو ان کی سفارش ماننی ہی پڑے گی۔ حالانکہ وہاں حال یہ ہے کہ اجازت لیے بغیر کوئی زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جس کو اجازت ملے گی صرف وہی کچھ عرض کر سکے گا۔ اور جس کے حق میں

(سفارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے[۴۱]۔

(اے نبی)، ان سے پوچھو، "کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟" کہو "اللہ[۴۲]۔ اب لامحالہ ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے[۴۳]۔" ان سے سفارش کرنے کی اجازت ملے گی اسی کے حق میں عرض معروض کی جا سکے گی۔ (اسلامی عقیدہ شفاعت اور مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کے فرق کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۲۶۲ - ۲۷۵ - ۲۵۶ - ۳۶۸ - ۵۵۶ - ۵۶۲ - جلد سوم، ص ۱۲۶ - ۱۵۵ - ۲۵۲)

۴۱۔ یہاں اُس وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب قیامت کے روز کوئی سفارش کرنے والا کسی کے حق میں سفارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اِس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلبِ اجازت کی درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشفوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے ہوئے جواب کے منتظر کھڑے ہیں۔ آخرکار جب اوپر سے اجازت آجاتی ہے اور شافع کے چہرے سے مشفوع بھانپ جاتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر شافع سے پوچھتا ہے "کیا جواب آیا؟" شافع جواب دیتا ہے کہ "ٹھیک ہے، اجازت مل گئی ہے۔ اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانو! جس بڑے دربار کی شان یہ ہے اس کے متعلق تم کس خیالِ خام میں پڑے ہوئے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشوا لے گا یا کسی کی یہ مجال ہو گی کہ وہاں مچل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ تو میرے متوسل ہیں، انہیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔

۴۲۔ سوال اور جواب کے درمیان ایک لطیف خلا ہے۔ مخاطب مشرکین تھے جو صرف یہی نہیں کہ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے بلکہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ رزق کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھیراتے تھے۔ اب جو اُن کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ بتاؤ کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے، تو وہ مشکل میں پڑ گئے۔ اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیتے ہیں تو خود اپنے اور اپنی قوم کے عقیدے کے خلاف بات کہتے ہیں۔ ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسی بات کہہ بھی دیں تو ڈرتے ہیں کہ خود اپنی قوم کے

کہو، "جو قصور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہو گی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔"[۴۴] کہو، "ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

لوگ ہی اس کی تردید کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اگر تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے تو فوراً دوسرا سوال یہ سامنے آ جاتا ہے کہ پھر یہ دوسرے کس مرض کی دوا ہیں جنہیں تم نے خدا بنا رکھا ہے؟ رزق تو دے اللہ، اور پوجے جائیں یہ، آخر تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اس دوگونہ مشکل میں پڑ کر وہ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا معبود رازق ہے۔ پوچھنے والا جب دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کچھ نہیں بولتے، تو وہ خود اپنے سوال کا جواب دیتا ہے کہ "اللہ"۔

۴۳ے اس فقرے میں حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ اوپر کے سوال و جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہو اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجا لاتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس بنا پر بظاہر تو اس کے بعد کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہ ہو۔ لیکن اس طرح دوٹوک بات کہہ دینا حق گوئی کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست ہوتا حکمتِ تبلیغ کے لحاظ سے درست نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کسی شخص کو مخاطب کر کے آپ صاف صاف گمراہ کہہ دیں اور خود اپنے برسرِ ہدایت ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ ضد میں مبتلا ہو جائے گا اور سچائی کے لیے اس کے دل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول چونکہ مجرد حق گوئی کے لیے نہیں بھیجے جاتے بلکہ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حکیمانہ طریقے سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کریں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے نبی، اس سوال و جواب کے بعد اب تم ان لوگوں سے صاف کہہ دو کہ تم سب گمراہ ہو اور ہدایت پر صرف ہم ہیں۔ اس کے بجائے تلقین یہ فرمائی گئی کہ انہیں اب یوں سمجھاؤ۔ ان سے کہو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ فرق تو کھل گیا کہ ہم اسی کو معبود مانتے ہیں جو رزق دینے والا ہے، اور تم اُن کو معبود بنا رہے ہو جو رزق دینے والے نہیں ہیں۔ اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم اور تم دونوں بیک وقت راہِ راست پر ہوں۔ اس صریح فرق کے ساتھ تو ہم میں سے ایک ہی راہِ راست پر ہو سکتا ہے، اور دوسرا لامحالہ گمراہ ٹھیرتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا تمہارا اپنا کام ہے کہ دلیل کس کے برسرِ ہدایت ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے اور کون اس کی رو سے گمراہ ہے۔

فیصلہ کردیگا۔ وہ ایسا فیصلہ کرنے والا ہے جو سب کچھ جانتا ہے[۴۵]" ان سے کہو، "ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی وہ کون ہستیاں ہیں جنہیں تم نے اس کے ساتھ شریک لگا رکھا ہے[۴۶]"۔ ہرگز نہیں، زبردست اور دانا تو بس وہ اللہ ہی ہے۔

---

[۴۴] اوپر کی بات سامعین کو پہلے ہی سوچنے پر مجبور کر چکی تھی۔ اس پر مزید ایک فقرہ یہ فرمایا گیا تاکہ وہ اور زیادہ تفکر سے کام لیں۔ اس سے ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ ہدایت اور گمراہی کے اس معاملے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا ہم میں سے ہر ایک کے اپنے مفاد کا تقاضا ہے۔ فرض کرو کہ ہم گمراہ ہیں تو اپنی اس گمراہی کا خمیازہ ہم ہی بھگتیں گے، تم پر اس کی کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ اس لیے یہ ہمارے اپنے مفاد کا تقاضا ہے کہ کوئی عقیدہ اختیار کرنے سے پہلے خوب سوچ لیں کہ کہیں ہم غلط راہ پر تو نہیں جا رہے ہیں۔ اسی طرح تم کو بھی ہماری کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ہی خیر خواہی کی خاطر ایک عقیدے پر جمنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ کہیں تم کسی باطل نظریے پر تو اپنی زندگی کی ساری پونجی نہیں لگا رہے ہو۔ اس معاملے میں اگر تم نے ٹھوکر کھائی تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا، ہمارا کچھ نہ بگڑے گا۔

[۴۵] یہ اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے آخری اور سب سے بڑا محرک ہے جس کی طرف سامعین کو توجہ دلائی گئی ہے۔ بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی کہ اس زندگی میں ہمارے اور تمہارے درمیان حق و باطل کا اختلاف ہے اور ہم میں سے کوئی ایک ہی حق پر ہے، بلکہ اس کے آگے حقیقت نفس الامری یہ بھی ہے کہ ہمیں اور تمہیں، دونوں ہی کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور رب وہ ہے جو حقیقت کو بھی جانتا ہے اور ہم دونوں گروہوں کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ وہاں جا کر نہ صرف اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ ہم میں اور تم میں سے حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔ بلکہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہم نے تم پر حق واضح کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اور تم نے باطل پرستی کی ضد میں آکر ہماری مخالفت کس کس طرح کی۔

[۴۶] یعنی قبل اس کے کہ تم ان معبودوں کے بھروسے پر اتنا بڑا خطرہ مول لو، ذرا مجھے بھی بتا دو کہ ان میں سے کون اتنا زور آور ہے کہ اللہ کی عدالت میں وہ تمہارا حمایتی بن کر اٹھ سکتا ہو اور تمہیں اس کی گرفت سے بچا سکتا ہو۔

اور اے نبیؐ، ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۴۷؎

۴۷؎ یعنی تم صرف اسی شہر یا اسی ملک، یا اسی زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہو، مگر یہ تمہارے ہم عصر اہل وطن تمہاری قدر و منزلت کو نہیں سمجھے اور ان کو احساس نہیں ہے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے ان کو نوازا گیا ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوع بشری کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ مثلاً

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام-۱۹) — اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو متنبہ کروں اور ہر اُس شخص کو جسے یہ پہنچے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف-۱۵۸) — اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء-۱۰۷) — اور اے نبی، ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت کے طور پر۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان-۱) — بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے متنبہ کرنے والا ہو۔

یہی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بہت سی احادیث میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

بُعِثْتُ الی الاحمر والاسود (مسند احمد، مرویات ابو موسیٰ اشعریؓ) — میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اما انا فارسلت الی الناس کلھم عامۃ و کان من قبلی انما یرسل الی قومہ (مسند احمد، مرویات عبداللہ بن عمرو بن عاص) — میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا

یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ وہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟[۴۸] کہو تمہارے لیے ایک ایسے دن کی میعاد مقرر ہے جس کے آنے میں نہ ایک گھڑی بھر کی تاخیر تم کرسکتے ہو اور نہ ایک گھڑی بھر پہلے اسے لاسکتے ہو۔[۴۹] ع

یہ کافر کہتے ہیں کہ "ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کریں گے"[۵۰] کاش تم دیکھو ان کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے"[۵۱] وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب

وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس عامۃ (بخاری و مسلم، من حدیث جابر بن عبداللہ) — پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

بعثت انا والساعۃ کھاتین یعنی اصبعین (بخاری و مسلم) — میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں، یہ فرماتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھائیں۔

مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی حائل نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان بھی کوئی نبوت نہیں ہے۔ میرے بعد بس قیامت ہی ہے اور قیامت تک میں ہی نبی رہنے والا ہوں۔

[۴۸] یعنی جس وقت کے متعلق ابھی تم نے کہا ہے کہ "ہمارا رب ہم کو جمع کریگا اور ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردیگا"، وہ وقت آخر کب آئے گا؟ ایک مدت سے ہمارا اور تمہارا مقدمہ چل رہا ہے۔ ہم تمہیں بار بار جھٹلا چکے ہیں اور کھلم کھلا تمہاری مخالفت کیے جارہے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کیوں نہیں کر ڈالا جاتا؟

[۴۹] دوسرے الفاظ میں اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے تمہاری خواہشات کے تابع نہیں ہیں کہ کسی کام کے لیے جو وقت تم مقرر کرو اُسی وقت پر وہ اُس کام کو کرنے کا پابند ہو۔ اپنے معاملات کو وہ اپنی ہی صوابدید کے مطابق انجام دیتا ہے۔ تم اسے کیا سمجھ سکتے ہو کہ اللہ کی اسکیم میں نوع انسانی کو کب تک اس دنیا کے اندر کام کرنے کا موقع ملنا ہے، کتنے اشخاص اور کتنی قوموں کی کس کس طرح آزمائش ہونی ہے، اور

دیں گے" کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں، بلکہ تم خود مجرم تھے[۵۲]

کونسا وقت اِس کے لیے موزوں ہے کہ اِس دفتر کو لپیٹ دیا جائے اور تمام اوّلین و آخرین کو محاسبہ کے لیے طلب کر لیا جائے۔ اس کام کا جو وقت اللہ ہی کی اسکیم میں مقرر ہے اسی وقت پر یہ کام ہو گا۔ نہ تمہارے تقاضوں سے وہ وقت ایک سکنڈ پہلے آئے گا اور نہ تمہاری التجاؤں سے وہ ایک سکنڈ کے لیے ٹل سکے گا۔

۵۰ مراد ہیں کفارِ عرب جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔

۵۱ یعنی عوام الناس، جو آج دنیا میں اپنے لیڈروں، سرداروں، پیروں اور حاکموں کے پیچھے آنکھیں بند کیے چلے جا رہے ہیں، اور ان کے خلاف کسی ناصح کی بات پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، یہی عوام جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حقیقت کیا تھی اور ان کے یہ پیشوا انہیں کیا باور کرا رہے تھے، اور جب انہیں یہ پتہ چل جائے گا کہ ان رہنماؤں کی پیروی انہیں کس انجام سے دوچار کرنے والی ہے، تو یہ اپنے ان بزرگوں پر پلٹ پڑیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ کم بختو، تم نے ہمیں گمراہ کیا، تم ہماری ساری مصیبتوں کے ذمہ دار ہو، تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم خدا کے رسولوں کی بات مان لیتے۔

۵۲ یعنی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی طاقت نہ تھی جس سے ہم چند انسان تم کروڑوں انسانوں کو زبردستی اپنی پیروی پر مجبور کر دیتے۔ اگر تم ایمان لانا چاہتے تو ہماری سرداریاں اور پیشوائیاں اور حکومتوں کا تختہ اُلٹ سکتے تھے۔ ہماری فوج تو تم ہی تھے۔ ہماری دولت اور طاقت کا سرچشمہ تو تمہارے ہی ہاتھ میں تھا۔ تم نذرانے اور ٹیکس نہ دیتے تو ہم مفلس تھے۔ تم ہمارے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو ہماری پیری ایک دن نہ چلتی۔ تم زندہ باد کے نعرے نہ مارتے تو کوئی ہمارا پوچھنے والا نہ ہوتا۔ تم ہماری فوج بن کر دنیا بھر سے ہمارے لیے لڑنے پر تیار نہ ہوتے تو ایک انسان پر بھی ہمارا بس نہ چل سکتا تھا۔ اب کیوں نہیں مانتے کہ دراصل تم خود اُس راستے پر نہ چلنا چاہتے تھے جو رسولوں نے تمہارے سامنے پیش کیا تھا۔ تم اپنی اغراض اور خواہشات کے بندے تھے اور تمہارے نفس کی یہ مانگ رسولوں کی بتائی ہوئی راہ تقوی کے بجائے ہمارے ہاں پوری ہوتی تھی۔ تم حرام و حلال سے بے نیاز ہو کر عیشِ دنیا کے طالب تھے اور وہ ہمارے پاس ہی تمہیں نظر آتا تھا۔ تم ایسے پیروں کی تلاش میں تھے جو تمہیں

وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے "نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھیرائیں[۵۳]" آخرکار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دینگے۔ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لیکر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے[۵۴]۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں[۵۵]۔ اے نبی، ان سے

ہر طرح کے گناہوں کی کھلی چھوٹ دیں اور کچھ نذرانہ لیکر خدا کے ہاں تمہیں بخشوا دینے کی خود ذمہ داری لیں تم ایسے پنڈتوں اور مولویوں کے طلبگار تھے جو ہر شرک اور ہر بدعت اور تمہارے نفس کی ہر دلپسند چیز کو عین حق ثابت کر کے تمہارا دل خوش کریں اور اپنا کام بنائیں۔ تم کو ایسے جعل سازوں کی ضرورت تھی جو خدا کے دین کو بدل کر تمہاری خواہشات کے مطابق ایک نیا دین گھڑیں۔ تم کو ایسے لیڈر درکار تھے جو کسی نہ کسی طرح تمہاری دنیا بنا دیں خواہ عاقبت بگڑے یا درست ہو۔ تم کو ایسے حاکم مطلوب تھے جو خود بدکردار اور بددیانت ہوں اور ان کی سرپرستی میں تمہیں ہر قسم کے گناہوں اور بدکرداریوں کی چھوٹ ملی رہے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان برابر کے لین دین کا سودا ہوا تھا۔ اب تم کہاں یہ ڈھونگ رچانے چلے ہو کہ گویا تم بڑے معصوم لوگ تھے اور ہم نے زبردستی تمہیں بگاڑ دیا تھا۔

۵۳ دوسرے الفاظ میں ان عوام کا جواب یہ ہوگا کہ تم اس ذمہ داری میں ہم کو برابر کا شریک کہاں ٹھیرائے دے رہے ہو۔ کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے اپنی چال بازیوں، فریب کاریوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے کیا طلسم باندھ رکھا تھا، اور رات دن خلق خدا کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے جتن تم کیا کرتے تھے۔ معاملہ صرف اتنا ہی تو نہیں ہے کہ تم نے ہمارے سامنے دنیا پیش کی اور ہم اس پر ریجھ گئے۔ امر واقعہ یہ بھی تو ہے کہ تم شب و روز کی مکاریوں سے ہم کو بیوقوف بناتے تھے اور تم میں سے ہر شکاری

کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا عطا کرتا ہے ، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے ہیں ع ۵۶ یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے ع

روز ایک نیا جال بُن کر طرح طرح کی تدبیروں سے اللہ کے بندوں کو اس میں پھانستا تھا۔

قرآن مجید میں پیشواؤں اور پیروؤں کے اس جھگڑے کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے آیا ہے۔ تفصیل کے لیے حسبِ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: اعراف، آیات ۳۸ - ۳۹ - ابراہیم، ۲۱ - القصص، ۶۳ - الاحزاب، ۶۶ - ۶۸ - المومن، ۴۷ - ۴۸ - حٰم السجدہ، ۲۹ -

۵۴ یہ بات قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر اُن خوشحال طبقوں نے کیا ہے جو دولت و حشمت اور نفوذ و اقتدار کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر حسبِ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: الانعام، ۱۲۳ - الاعراف، ۶۰ - ۶۶ - ۷۵ - ۸۸ - ۹۰ - ہود، ۲۷ - بنی اسرائیل، ۱۶ - المومنون، ۲۴ - ۳۳ تا ۳۸ - ۴۶ - ۴۷ - الزخرف، ۲۳ -

۵۵ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہم تم سے زیادہ اللہ کے پیارے اور پسندیدہ لوگ ہیں، جبھی تو اس نے ہم کو اُن نعمتوں سے نوازا ہے جن سے تم محروم ہو، یا کم از کم ہم سے فروتر ہو۔ اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو یہ سروسامان اور یہ دولت و حشمت ہمیں کیوں دیتا۔ اب یہ بات ہم کیسے باور کریں کہ اللہ یہاں تو ہم پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے اور آخرت میں جا کر ہمیں عذاب دیگا۔ عذاب ہونا ہے تو اُن پر ہونا ہے جو یہاں اس کی نوازشوں سے محروم ہیں۔

قرآن مجید میں دنیا پرستوں کی اس غلط فہمی کا بھی جگہ جگہ ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے مثال کے طور پر حسبِ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: البقرہ، ۱۲۶ - ۲۱۲ - التوبہ، ۵۵ - ۶۹ - ہود، ۳ - ۲۷ - الرعد، ۲۶ - الکہف، ۳۴ تا ۴۳ - مریم، ۷۳ تا ۷۷ - طٰہٰ، ۱۳۱ - المومنون، ۵۵ تا ۶۱ - الشعراء، ۱۱۱ - القصص ۷۶ تا ۸۳ - الروم، ۹ - المدثر، ۱۱ تا ۲۶ - الفجر ۱۵ تا ۲۰ -

۵۶ یعنی دنیا میں رزق کی تقسیم کا انتظام جس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اُس کو یہ لوگ نہیں

جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو۔ ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے[۵۸] یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے عمل کی دُہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے[۵۹] رہے وہ لوگ جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں، تو وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اَے نبی، ان سے کہو " میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھُلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے[۶۰]۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور

سمجھتے اور اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ جسے اللہ کشادہ رزق دے رہا ہے وہ اُس کا محبوب ہے، اور جسے تنگی کے ساتھ دے رہا ہے وہ اس کے غضب میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ذرا آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے نظر آ سکتا ہے کہ بسا اوقات بڑے ناپاک اور گھناؤنے کردار کے لوگ نہایت خوشحال ہوتے ہیں، اور بہت سے نیک اور شریف انسان، جن کے کردار کی خوبی کا ہر شخص معترف ہوتا ہے، تنگ دستی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اب آخر کون صاحبِ عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو یہ پاکیزہ اخلاق کے لوگ ناپسند ہیں اور وہ شریر و خبیث لوگ ہی اسے بھلے لگتے ہیں۔

۵۸؎ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ سے قریب کرنے والی چیز مال اور اولاد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل صالح ہے۔ دوسرے یہ کہ مال اور اولاد صرف اُس مومن صالح انسان ہی کے لیے ذریعۂ تقرب بن سکتے ہیں جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے خداشناس اور نیک کردار بنانے کی کوشش کرے۔

۵۹؎ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ ان کی یہ نعمت لازوال ہو گی اور اس اجر کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو گا۔ کیونکہ جس عیش کے کبھی ختم ہو جانے کا خطرہ ہو اس سے انسان پوری طرح مطمئن ہو کر لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب یہ سب کچھ چھن جائے۔

دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔[۶۰]

اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا "کیا یہ لوگ

[۵۹] اس مضمون کو تکرار بیان کرنے سے مقصود اس بات پر زور دینا ہے کہ رزق کی کمی وبیشی اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیتِ الٰہی کے تحت اچھے اور بُرے ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ خدا کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اس کا انکار کرنے والے بھی۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ بندہ ہے، اور نہ اس کی تنگی اس امر کی علامت ہے کہ آدمی اُس کا مغضوب ہے۔ مشیت کے تحت ایک ظالم اور بے ایمان آدمی پھلتا پھولتا ہے، حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس مشیت ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو پسند ہیں۔ لہٰذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادی فوائد و منافع کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ اصل چیز خدا کی رضا ہے اور وہ ان اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ ان اوصاف کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ خدا کا فضل ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے خدا کا باغی و نافرمان بندہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت بازپرس اور بدترین عذاب کے لیے تیار ہو رہا ہے۔

[۶۰] رازق، صانع، مُوجِد، مُعطی اور ایسی ہی دوسری بہت سی صفات ایسی ہیں جو اصل میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہم ایک شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے فلاں شخص کے روزگار کا بندوبست کر دیا، یا اس نے یہ عطیہ دیا، یا اس نے فلاں چیز بنائی یا ایجاد کی۔ اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خیر الرازقین کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جن جن کے متعلق تم گمان رکھتے ہو کہ وہ روزی دینے والے ہیں اُن سب سے بہتر روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟[۶۱] تو وہ جواب دیں گے کہ "پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے[۶۲]۔ دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے[۶۳]۔" اُس وقت

[۶۱] قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور کے مشرکین فرشتوں کو دیوی اور دیوتا قرار دے کر ان کے بت بناتے اور ان کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے تو کوئی بجلی کا اور کوئی ہوا کا۔ کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی علم کی اور کوئی موت و ہلاکت کی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کے روز ان فرشتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ہی ان لوگوں کے معبود بنے ہوئے تھے؟ اِس سوال کا مطلب صرف دریافتِ حال ہی نہیں ہے بلکہ اس میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ کیا تم ان کی اس عبادت سے راضی تھے؟ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ لوگو ہم تمہارے معبود ہیں، تم ہماری پوجا کیا کرو؟ یا تم نے یہ چاہا تھا کہ یہ لوگ تمہاری پوجا کریں؟ قیامت میں یہ سوال صرف فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ تمام اُن ہستیوں سے کیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ۔ (آیت ۱۷)	جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور اُن ہستیوں کو جن کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں جمع کرے گا پھر پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟

[۶۲] یعنی وہ جواب دیں گے کہ حضور کی ذات اس سے منزہ اور بالاتر ہے کہ کوئی دوسرا خدائی و معبودیت میں آپ کا شریک ہو۔ ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ان سے اور ان کے افعال سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو حضور کے بندے ہیں۔

[۶۳] اس فقرے میں جن سے مراد شیاطینِ جن ہیں۔ فرشتوں کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ ہمارے نام لے کر، اور اپنے تخیلات کے مطابق ہماری صورتیں بنا کر گویا ہماری

ہم کہیں گے کہ آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور ظالموں سے ہم کہہ دیں گے کہ اب چکھو اس عذابِ جہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اِن لوگوں کو جب ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو اُن معبودوں سے برگشتہ کر دے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آتے ہیں" اور کہتے ہیں کہ "یہ (قرآن) محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا" اِن کافروں کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ "یہ تو صریح جادو ہے" حالانکہ نہ ہم نے اِن لوگوں کو پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ یہ اسے پڑھتے ہوں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا تھا۔[۴۴] اِن سے پہلے گزرے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا تھا اُس کے عُشرِ عشیر کو بھی یہ نہیں پہنچے ہیں۔ مگر جب انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھ لو کہ میری سزا کیسی

عبادت کرتے تھے، لیکن دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ شیاطین کی بندگی کر رہے تھے، کیونکہ شیاطین ہی نے ان کو یہ راستہ دکھایا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حاجت روا سمجھو اور ان کے آگے نذر نیاز پیش کیا کرو۔

اس آیت سے پھر عبادت کے ایک دوسرے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت صرف پرستش اور پوجا پاٹ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کے حکم پر چلنا اور اس کی بے چون و چرا اطاعت کرنا بھی عبادت ہی ہے۔ حتیٰ کہ اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہو (جیسا کہ شیطان پر بھیجتا ہے) اور پھر بھی پیروی اسی کے طریقے کی کیے جا رہا ہو تب بھی وہ اس کی عبادت کا مرتکب ہے۔ اس کی دوسری مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اوّل، ص ۳۹۸ - ۴۰۰۔ جلد دوم، ص ۱۸۹ - ۱۹۰۔ جلد سوم، ص ۶۹ - ۶۵۶۔

[۴۴] یعنی اس سے پہلے نہ کوئی کتاب خدا کی طرف سے ایسی آئی ہے اور نہ کوئی رسول ایسا آیا ہے جس نے آکر اِن کو یہ تعلیم دی ہو کہ یہ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی و پرستش کیا کریں۔ اس لیے

سخت تھی ۶۵۔ ع

رکوع

اے نبیؐ، اِن سے کہو کہ "میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو، تمہارے صاحب میں آخر ایسی کونسی بات ہے جو جنون کی ہو؟ ۶۶ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔ ۶۷" اِن سے کہو "اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک رہے ۶۸۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمّہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ۶۹۔" ان سے کہو

یہ لوگ کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سراسر جہالت کی بنا پر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

۶۵ یعنی مکے کے لوگ تو اس قوت و شوکت اور اُس خوشحالی کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچے ہیں جو اُن قوموں کو حاصل تھی۔ مگر دیکھ لو کہ جب انہوں نے اُن حقائق کو ماننے سے انکار کیا جو انبیاء علیہم السّلام نے ان کے سامنے پیش کیے تھے، اور باطل پر اپنے نظامِ زندگی کی بنیاد رکھی تو آخرکار وہ کس طرح تباہ ہوئیں اور ان کی قوت و دولت ان کے کسی کام نہ آسکی۔

۶۶ یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصتہً للہ غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اُس شخص کو مجنون ٹھیرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت دانا آدمی سمجھتے تھے۔ آخر نبوت سے تھوڑی ہی مدت پہلے کا تو واقعہ تھا کہ تعمیرِ کعبہ کے بعد حجرِ اسود نصب کرنے کے مسئلے پر جب قبائلِ قریش باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انہوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چکایا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے، اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے مجنون کہنے لگے؟ ہٹ دھرمی اور ضد کی بات تو دوسری ہے، مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں

"میرا رب (مجھ پر) حق کا القا کرتا ہے[۶۹] اور وہ تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔" کہو "حق آگیا ہے اور اب باطل کے کیے کچھ نہیں ہو سکتا۔" کہو "اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اُس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب میرے اوپر نازل کرتا ہے، وہ سب کچھ سنتا ہے اور قریب ہی ہے[۷۰]۔"

سے کہتے ہو؟

۶۷؎ یعنی کیا یہی وہ قصور ہے جس کی بنا پر تم اسے جنون کا مریض ٹھیراتے ہو؟ کیا تمہارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو تمہیں تباہی کے راستے پر جاتے دیکھ کر کہے کہ شاباش، بہت اچھے جا رہے ہو، اور مجنون وہ ہے جو تمہیں بُرا وقت آنے سے پہلے خبردار کرے اور فساد کی جگہ اصلاح کی راہ بتلائے؟

۶۸؎ اصل الفاظ ہیں مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ۔ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو اوپر ہم نے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری بھلائی کے سوا میں اور کچھ نہیں چاہتا، میرا اجر بس یہی ہے کہ تم درست ہو جاؤ۔ اس مضمون کو دوسری جگہ قرآن مجید میں یوں ادا کیا گیا ہے:

قُلْ مَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ	اے نبی، ان سے کہو میں اس کام پر تم سے کوئی
اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا	اجر اس کے سوا نہیں مانگتا کہ جس کا جی چاہے
(الفرقان - ۵۷)	وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔

۶۹؎ یعنی الزام لگانے والے جو کچھ چاہیں الزام لگاتے رہیں، مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے، وہ گواہ ہے کہ میں ایک بے غرض انسان ہوں، یہ کام اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔

۷۰؎ اصل الفاظ ہیں يَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ وحی کے ذریعہ سے وہ علم حق میرے اوپر القا کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ حق کو غالب کر رہا ہے، باطل کے سر پر حق کی ضرب لگا رہا ہے۔

کاش تم دیکھو اِنہیں اُس وقت جب یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے، بلکہ قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے[۷۲] اُس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اُس پر ایمان لے آئے[۷۳] حالانکہ اب دُور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے[۷۴]۔ اس سے پہلے یہ کفر کر چکے تھے اور

---

[۷۱] اِس زمانے کے بعض ظالم لوگوں نے اِس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اِس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ ہو سکتے تھے، بلکہ ہو جایا کرتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے خود حضورؐ ہی کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اگر میں گمراہ ہوتا ہوں تو اپنی گمراہی کا خود ذمّہ دار ہوتا ہوں اور راہِ راست پر میں بس اُس وقت ہوتا ہوں جب میرا رب مجھ پر وحی (یعنی آیاتِ قرآنی) نازل کرتا ہے۔ اِس غلط تاویل سے یہ ظالم گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی معاذ اللہ ہدایت و ضلالت کا مجموعہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سامنے حضورؐ سے یہ اعتراف اس لیے کروایا تھا کہ کہیں کوئی شخص آپ کو بالکل ہی راہِ راست پر سمجھ کر آپ کی مکمل پیروی نہ اختیار کر بیٹھے۔ حالانکہ جو شخص بھی سلسلۂ کلام پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ یہاں "اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں" کے الفاظ اس معنی میں نہیں کہے گئے ہیں کہ معاذ اللہ حضورؐ فی الواقع گمراہ ہو جاتے تھے، بلکہ پوری بات اس معنی میں کہی گئی ہے کہ "اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں، جیسا کہ تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو، اور میرا یہ نبوت کا دعویٰ اور میری یہ دعوتِ توحید اسی گمراہی کا نتیجہ ہے جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو، تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا، اس کی ذمہ داری میں تم نہ پکڑے جاؤ گے لیکن اگر مَیں ہدایت پر ہوں، جیسا کہ درحقیقت ہوں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی آتی ہے جس کے ذریعہ سے مجھے راہِ راست کا علم حاصل ہو گیا ہے۔ میرا رب قریب ہی موجود ہے اور سب کچھ سُن رہا ہے، اسے معلوم ہے کہ مَیں گمراہ ہوں یا اس کی طرف سے ہدایت یافتہ"۔

[۷۲] یعنی قیامت کے روز ہر مجرم اس طرح پکڑا جائے گا کہ گویا پکڑنے والا قریب ہی کہیں چھپا کھڑا تھا ذرا اس نے بھاگنے کی کوشش کی اور فوراً ہی دھر لیا گیا۔

[۷۳] مراد یہ ہے کہ اُس تعلیم پر ایمان لے آئے جو رسول نے دنیا میں پیش کی تھی۔

[۷۴] یعنی ایمان لانے کی جگہ تو دنیا تھی اور وہاں سے اب یہ بہت دُور نکل آئے ہیں۔ عالمِ آخرت

بلا تحقیق دُور دُور کی کوڑیاں لایا کرتے تھے[۵۵]۔ اُس وقت جس چیز کی تمنا یہ کر رہے ہونگے اس سے یہ محروم کر دیئے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب محروم ہو چکے ہونگے۔ یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے[۵۶]۔ ع ع۶

میں پہنچ جانے کے بعد اب توبہ و ایمان کا موقع کہاں مل سکتا ہے۔

۵۵۔ یعنی رسول اور تعلیماتِ رسول اور اہلِ ایمان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے، آوازے کستے اور فقرے چُست کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ شخص ساحر ہے کبھی کہتے مجنون ہے۔ کبھی توحید کا مذاق اُڑاتے اور کبھی آخرت کے تخیل پر باتیں چھانٹتے۔ کبھی یہ افسانہ تراشتے کہ رسول کو کوئی اور سکھاتا پڑھاتا ہے اور کبھی ایمان لانے والوں کے متعلق کہتے کہ یہ محض اپنی نادانی کی وجہ سے رسول کے پیچھے لگ گئے ہیں۔

۵۶۔ درحقیقت شرک اور دہریت اور انکارِ آخرت کے عقائد کوئی شخص بھی یقین کی بنا پر اختیار نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یقین صرف علم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور کسی شخص کو بھی یہ علم حاصل نہیں ہے کہ خدا نہیں ہے، یا بہت سے خدا ہیں، یا خدائی کے اختیارات میں بہت سی ہستیوں کو دخل حاصل ہے، یا آخرت نہیں ہونی ہے۔ پس جس نے بھی دنیا میں یہ عقائد اختیار کیے ہیں اس نے محض قیاس و گمان پر ایک عمارت کھڑی کر لی ہے جس کی اصل بنیاد شک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ شک انہیں سخت گمراہی کی طرف لے گیا ہے۔ انہیں خدا کے وجود میں شک ہوا۔ انہیں توحید کی صداقت میں شک ہوا۔ انہیں آخرت کے آنے میں شک ہوا۔ حتیٰ کہ اس شک کو انہوں نے یقین کی طرح دلوں میں بٹھا کر انبیاء کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی زندگی کی پوری مہلتِ عمل ایک غلط راستے میں کھپا دی۔

ضروری اعلان

دفتر ترجمان القرآن میں پچھلے سالوں کے چند پرچے برائے فروخت موجود ہیں۔ ضرورتمند حضرات کی سہولت کے لیے ان کی قیمت میں پچاس فیصد رعایت کر دی گئی ہے۔ فائل رکھنے کے خواہشمند حضرات فوری توجہ فرمائیں۔

۱- جون ۴۸ء	جلد ۳۱	عدد ۲		۱۶- نومبر ۵۰ء	جلد ۳۵	عدد ۱
۲- جولائی ۴۸ء	"	"	عدد ۳	۱۷- دسمبر ۵۰ء	"	"	۲
۳- اگست ۴۸ء	"	"	عدد ۴	۱۸- ستمبر "	جلد ۳۶		۵-۶
۴- ستمبر ۴۸ء	"	"	عدد ۵	۱۹- اکتوبر "	" ۳۷		۱
۵- جون و جولائی ۴۹ء	جلد ۳۲		عدد ۱، ۲	۲۰- نومبر "	"	"	۳
۶- اگست ۴۹ء	"	"	عدد ۳	۲۱- اپریل و مئی ۵۲ء	جلد ۳۸		عدد ۱-۲
۷- ستمبر ۴۹ء	"	"	عدد ۴	۲۲- جولائی-اگست ۵۳ء	جلد ۴۰	"	۴-۵
۸- نومبر ۴۹ء	"	"	عدد ۵	۲۳- ستمبر "	"	"	۶
۹- دسمبر-جنوری ۴۹-۵۰ء	جلد ۳۳		عدد ۱، ۲، ۳	۲۴- اکتوبر "	" ۴۱	"	۱
۱۰- مارچ ۵۰ء	"	"	عدد ۴	۲۵- نومبر "	"	"	۲
۱۱- اپریل ۵۰ء	"	"	عدد ۵	۲۶- دسمبر "	"	"	۳
۱۲- مئی "	"	"	۶	۲۷- مارچ ۵۴ء	"	"	۶
۱۳- جون ۵۰ء	جلد ۳۴		عدد ۱	۲۸- اپریل "	" ۴۲	"	۱
۱۴- جولائی تا ستمبر ۵۰ء	"	"	۲، ۳، ۴، ۵	۲۹- جولائی "	"	"	۴
۱۵- اکتوبر ۵۰ء	"	"	عدد ۶	۳۰- اگست "	"	"	۵

مینجر ترجمان القرآن

امام ابوحنیفہؒ کا مقام فنِ حدیث میں

از مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی

پاکستان کی عدالتِ عالیہ کے ایک فاضل جج جناب محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک فیصلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"مگر امام ابوحنیفہؒ نے جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور جن کا انتقال ۷۰ سال کے بعد ہوا تقریباً ۱۷ یا ۱۸ حدیثیں ان مسائل کا فیصلہ کرنے میں استعمال کیں جو ان کے سامنے پیش کیے گئے۔"[1]

غالباً یہ غلط فہمی علامہ ابن خلدون کے ایک ضعیف قول نقل کر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ علامہ ابن خلدون نے علومِ حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: واعلم ایضاً ان الائمۃ المجتھدین تفاوتوا فی الاکثار من ھذہ الصناعۃ والاقلال فابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثا او نحوھا[2] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ائمہ مجتہدین میں بعض فنِ حدیث میں کم مایہ تھے، ابوحنیفہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف سترہ کے لگ بھگ تھیں۔"

اس ضعیف قول سے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ نے بھی امام صاحبؒ کے خلاف دلیل لاتے ہوئے فائدہ اٹھایا ہے[3]۔

علامہ ابن خلدون کی عبارت سے اخذِ مطالب میں جو سقم پیدا ہوا ہے اس کے ازالے کے لیے چند باتوں کا ذکر ضروری ہے۔

امام صاحب طبقۂ تابعین میں مؤرخین کے دلائل اس بات پر قوی تر ہیں کہ امام صاحب نے کسی

---

[1] بحوالہ ترجمان القرآن منصبِ رسالت نمبر صفحہ ۳۱۷ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۸۷
[3] الحطر فی ذکر صحاح الستہ صفحہ ۴۴۔

صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم ان کو یہ شرف حاصل رہا کہ انہوں نے ان کو دیکھا ہے جن کی آنکھوں نے پیغمبرؐ کا جمال دیکھا تھا ان کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں۔ امام صاحب کو اس سعادت پر ناز تھا اور بے شبہ یہ ناز بجا تھا کیونکہ انہوں نے حضرت انسؓ صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جو امام صاحب کے آغاز شباب تک زندہ رہے، حضرت انسؓ کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا اور سہل بن سعد کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا اور ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ تو ۱۰۰ھ تک زندہ رہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے آخر کے دونوں حضرات سے بھی ملاقات کی ہو[1] اس پر لوگوں کو تعجب ہوا، مؤرخین نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ امام صاحبؒ نے اس وقت تک تعلیم شروع نہیں کی تھی۔ آپ کے والد تاجر تھے اس لیے آپ کی نشوونما ایک تاجر کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ بڑے ہوتے پر امام شعبی کی ہدایت پر علم کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اور اس وقت موقع نکل چکا تھا اور صحابہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

مگر یہ توجیہ ناقابلِ فہم ہے کیونکہ رُواۃ کا ایک معتدبہ حصّہ تجار رہا ہے۔ البتہ اس کی ایک توجیہ قابلِ قیاس ہے، محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث کی روایت سیکھنے کے لیے کم از کم کیا عمر مشروط ہے، اس بارے میں اربابِ کوفہ زیادہ محتاط تھے، ان کے نزدیک بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کے درس میں شریک نہیں ہو سکتا تھا[2] کیونکہ ان کے نزدیک حدیث بالمعنیٰ کی گئی ہے اس لیے طالب علم کا پوری عمر کو پہنچ جانا ضروری ہے، تاکہ مطالب کے سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی کا احتمال باقی نہ رہے غالباً

---

[1] الموفق میں ایک باب ذکر الاحادیث السبعۃ التی رواھا ابوحنیفہ عن سبعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم مذکور ہے۔ اس کے ذیل میں احادیثِ مرویہ کا ذکر بسند مذکور ہے صفحہ ۲۷، حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام احادیث کو بسند نقل کرنے کے بعد اصولِ حدیث پر ان کو پرکھا ہے اور ان کی رائے ہے کہ یہ احادیث امام صاحب نے صحابہ سے روایت نہیں کی ہیں، یہ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں، اگر امام صاحب نے ایک حدیث بھی کسی صحابی سے روایت کی ہوتی تو ان کے تلامذہ اس کو شہرت دیتے لیکن امام ابو یوسف، امام محمد، ابن ہمام، ابن مبارک وغیرہ نے ان کو کہیں بھی اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا ہے۔

[2] مقدمہ ابن صلاح مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۰

یہی قید تھی، جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا صحابہ کے علاوہ جن لوگوں نے صحابہ سے کم عمری میں حدیثیں سنیں، وہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں لیکن اس بات کا قوی احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ کمسنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں؟

ابن خلکان کی ایک عبارت سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ وہ امام صاحب کی تابعیت کے منکر ہیں اور مخالفین کے ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

ادرك ابو حنيفة اربعة من الصحابه رضوان الله عليهم اجمعين وهم انس بن مالك وعبد الله بن ابى اوفى بالكوفه وسهل بن سعد الساعدى بالمدينة وابو الطفيل عامر بن واثله بمكة ولم يلق احداً منهم ولا اخذ عنه[1]

امام ابو حنیفہؒ کے وقت میں چار صحابی موجود تھے حضرت انس بن مالک اور کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور مدینہ میں سہل بن سعد الساعدی اور مکہ میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ، لیکن ان میں سے کسی سے نہ ملاقات کی اور نہ ان سے فیض یاب ہوئے

لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کیونکہ ابن خلکان نے اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے دوسرے ملاقات اور فیض یاب ہونے سے انکار ہے مگر رؤیت سے انکار نہیں ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیں تو پھر محدثین کے ایک گروہ خطیب بغدادی، علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب، علامہ نووی، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر عسقلانی، زین الدین عراقی سخاوی، ابو المحاسن دمشقی کا ہمارے پاس کیا جواب ہے جنہوں نے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے[2]

اور اصولِ روایت کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ کسی واقعہ کے اثبات اور نفی میں برابر درجہ

---

[1] ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۷

[2] مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ کتاب الانساب، تہذیب الاسماء واللغات، تذکرۃ الحفاظ، عبر فی اخبار من غبر للذہبی، تہذیب التہذیب وغیرہ میں امام ابو حنیفہ کے حالات دیکھیے۔

کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا، اور یہاں تو نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بہت کم رتبہ ہے۔

تحصیلِ علم امام ابوحنیفہ کی توجہ تحصیل علم کی طرف امام شعبیؒ کے ایماء سے ہوئی تھی، امام شعبی نے کہا تھا کہ "مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو" اس نصیحت کا ان کے قلب پر اثر ہوا اور نہایت انہماک سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔

تحصیلِ علم کی ابتدائی منزل علمِ کلام رہا اور علمِ کلام کیلئے جن خصوصیتوں کا پایا جانا ضروری تھا وہ امام صاحب میں باتم موجود تھیں، اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس فن میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ ماہرین فن ان سے علمِ کلام پر بات کرنے سے جی چراتے تھے۔ ابتدا میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ تھے مگر جس طرح عمر بڑھتی گئی ان کی طبیعت رکتی گئی۔

کوفہ جو امام ابوحنیفہ کا مولد و مسکن تھا۔ اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ شہر کوفہ کا وجود حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں ہوا۔ ۱۷ھ میں اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں عرب کی آبادی کا ایک خطہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب فرماتے۔ حضرت علیؓ کی نظر انتخاب اسی پر پڑی اور انہوں نے اس کو دار الخلافہ قرار دیا۔ صحابہ جو وہاں آباد ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار پچاس ہے چوبیس وہ بزرگ ہیں جو غزوۂ بدر میں حضور اکرمؐ کے ہمرکاب تھے، ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے، اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کی درسگاہ بن گیا تھا۔[2]

امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ امام ابوحنیفہ نے حماد کے حلقۂ درس میں زانوئے تلمذ تہ کیا، حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذِ وقت تھے۔ حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی، مسعرؒ و شعبہؒ جو ائمۂ فن خیال کیے گئے ہیں انہی کی صحبت کے فیض یافتہ ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی نظر انتخاب لامحالہ آپ ہی پر پڑی۔ اس وقت درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ استاذ زبانی مسائل پر گفتگو کرتے

---

[1] عقود الجمان، باب سادس۔ [2] یہ تمام تفصیلات فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ صفحہ ۲۷۵ تا ۲۸۹ اور معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۰ میں مذکور ہیں۔

تھے، جو شاگرد یاد کر لیا کرتے تھے یا لکھوا لیا کرتے تھے، ابتدا میں ابوحنیفہؒ مبتدیوں کی صف میں بیٹھے، مگر جب استاذ کی جوہر شناس نگاہوں نے اس گوہر کو بھانپ لیا تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں[1]۔

امام ابوحنیفہ نے اگرچہ اس دوران میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی، کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی مگر حماد کے حلقۂ درس سے برابر تعلق قائم رہا۔ حماد کا انتقال سنہ ۱۲۰ھ میں ہوا، امام ابوحنیفہ نے حماد کے علاوہ اور بزرگوں سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی مگر حماد کا نقش ایسا قائم رہا کہ وہ آخری وقت تک قائم رہا اور یہی وجہ ہے کہ امام صاحب حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے تھے۔

تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو اور اس سے حدیثیں نہ لی ہوں۔ ابوالمحاسن نے امام کے شیوخ کی تعداد خاص کوفہ میں ترانوے ۹۳ لکھی ہے جو یا تو کوفہ کے باشندے تھے یا تو وارد تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاص کر امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابواسحاق سبیعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرہ، منصور بن المعتمر، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن السائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند روایت کے مرجع عام تھے[2]۔

امام صاحبؒ کی تحصیل کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا، بصرہ بھی حضرت عمر کے حکم سے آباد ہوا تھا[3]، جو وسعتِ علم کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر خیال کیا جاتا تھا۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے اور تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملینِ حدیث کا لقب دیا ہے اور ان کے مستقل حالات لکھے ہیں ان میں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابوعمر النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خیثم، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابوعبدالرحمٰن السلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابووائل شقیق بن مسلم، قیس بن حازم،

---

[1] عقود الجمان باب سادس

[2] تہذیب التہذیب، معارف ابن قتیبہ، مرآۃ الجنان یافعی

[3] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ و فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴۶

محمد بن سیرین، حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ ان ہی دونوں شہر کوفہ اور بصرہ کے رہنے والے یا خوشباش تھے[1]

بہتر ہوگا اجمالی طور پر امام صاحبؒ کے شیوخ پر ایک مجموعی طور پر سرسری نظر ڈال لی جائے ان میں سے اجل شیوخ کا تذکرہ ہم بعد میں کریں گے۔

عطاء بن ابی رباح، عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن مرثد، حماد بن سلیمان، سلمہ بن کہیل، ابو جعفر محمد بن علی، علی بن الاقمر، زیاد بن علاقہ، سعید بن مسروق ثوری، عدی بن ثابت الانصاری، عطیہ بن سعید العوفی، ابو سفیان سعدی، عبد الکریم ابی امیہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، ہشام بن عروہ[2]

ابو اسحاق السبیعی، نافع بن عمر، عبد الرحمٰن ہرمز الاعرج، قتادہ عمر بن دینار، محارب بن دثار، ہیثم بن حبیب الصراف، قیس بن مسلمہ، محمد المنکدر، یزید الفقیر، سماک بن حرب، عبد العزیز بن رفیع، مکحول عمرو بن مرہ، ابو الزبیر محمد بن مسلم، عبد الملک بن عمر، منصور بن زاذان، منصور المعتمر، عطاء بن السائب الثقفی، عطاء بن ابی مسلم، عاصم بن سلیمان الاحول، اعمش، عبد اللہ بن عمر بن حفص امام اوزاعی[3]

ابراہیم بن محمد۔ اسماعیل بن عبد الملک، حارث بن عبد الرحمٰن، خالد بن علقمہ، ربیعۃ الرائے، شداد بن عبد الرحمٰن، شیبان بن عبد الرحمٰن، طاؤس بن کیسان، عبد اللہ بن دینار۔ عکرمہ مولیٰ بن عباس، عون بن عبد اللہ قابوس بن ابی ظبیان، محمد بن السائب الکلبی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ابو سعید مولیٰ ابن عباس[4]

موسیٰ بن ابی عائشہ، صلت بن بہرام، عثمان بن عبد اللہ بن حوشب، بلال، ہیثم بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبد الرحمٰن، معن، میمون بن سیاہ، جواب التیمی، سالم الافطس، یحییٰ بن عمر بن سلمہ۔ عمرو بن جبیر، عبید اللہ بن عمر، محمد بن مالک الہمدانی، ابو الوار خارجہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن ابی زیاد، حکم بن زیاد، کثیر الاصم، حمید الاعرج، ابو العطوف، عبد اللہ بن الحسن، سلیمان الشیبانی، سعید المرزبان، عثمان بن

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی، جلد اول صفحہ ۴۱ تا ۹۰

[2] تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۹ [3] طبقات الحفاظ جلد اول

[4] تہذیب الکمال

عبداللہ، ابومجید۔[1]

امام ابوحنیفہؒ کے وہ اساتذہ جو حدیث میں ائمہ فن شمار کیے جاتے ہیں ان کے حالات پر سرسری نظر ڈالتے چلیے۔

(۱) شعبی، انہی بزرگ کی ترغیب پر امام ابوحنیفہ نے علم کی طرف توجہ کی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں، تقریباً پانچ سو صحابہ کے دید سے آنکھیں ترکی تھیں، عراق، شام وعرب میں جو چار اساتذہ کامل تسلیم کیے جاتے تھے، ان سے ایک آپ کا بھی شمار ہوتا تھا۔ امام زُہری کہا کرتے کہ عالم صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن المسیب، بصرہ میں حسن، شام میں مکحول، کوفہ میں شعبی، حضرت ابن عمرؓ نے ان کو ایک بار مغازی کا سبق دیتے سنا تو فرمایا خدا کی قسم یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے، خلفاء اور اعیانِ دولت ان کا نہایت احترام کرتے تھے ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی۔[2]

(۲) سماک بن حرب، بہت بڑے تابعی اور محدث تھے، سفیان ثوری کا قول ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی، خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔[3]

(۳) عون بن عبداللہ بن عتبہ، حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کی ہیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔[4]

(۴) سلمہ بن کہیل، مشہور محدث اور جلیل القدر تابعی تھے، جندب بن عبداللہ، ابوالطفیل اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں، سفیان بن عُیَینہ فرماتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں ایک رکن ہیں، ابن مہدی نے کوفہ میں چار اصحاب کو صحیح الروایہ کہا ہے ان میں ان کو بھی شمار کیا ہے۔[5]

---

[1] کتاب الآثار لمحمد
[2] تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۳۳
[3] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۱۷۲
[4] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۳۶
[5] تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۶

(۵) محارب بن دثار، عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زاہد کو ایسا نہیں پایا جس کو محارب پر ترجیح دوں۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی، ابوحاتم، یعقوب، ابن سفیان، نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں محارب عموماً حجۃ ہیں۔ ۱۱۶ھ میں وفات پائی[۱]

(۶) ہشام بن عروہ، مشہور و معزز تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، بڑے بڑے ائمۂ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عُیینہ ان کے شاگرد تھے، ابوجعفر منصور کے زمانے میں کوفہ گئے، اور اہلِ کوفہ نے اسی زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں[۲]

(۷) قتادہ جلیل القدر محدث اور مشہور تابعی ہیں، صحابہ میں حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن سرجس اور ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی مرویات ہیں، حضرت انسؓ کے جن دو شاگردوں کو شہرتِ عام حاصل ہوئی، ان میں ایک آپ بھی ہیں۔ حدیث کو بعینہٖ روایت کرتے ہیں، آپ کے قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ آپ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے، ایک دن انہوں نے دریافت کیا، کہ تم ہر دن بہت سی باتیں پوچھتے ہو تم کو کچھ یاد بھی ہے۔ جواب دیا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جتنا سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کر دیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے، اور فرمایا، خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، اسی بنا پر ابن سیرین آپ کو احفظ الناس کہا کرتے تھے[۳]

(۸) شعبہ ۱۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان کا شمار اجلّہ محدثین میں ہوا کرتا ہے، دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے ان کو حدیث میں امیرالمومنین مانا ہے۔ عراق میں ... یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے، امام شافعیؒ کا قول ہے، اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہیں ہوتا۔ سفیان ثوری کو جب انتقال کی خبر ہوئی تو فرمایا "آج فنِ حدیث بھی ختم ہو گیا"۔ شعبہ کو امام

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۹ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۸

[۳] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۵۳

ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا، امام کی غیر موجودگی میں آپ کی ذہانت اور خوبیٔ فہم کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ذکر آیا تو فرمایا کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یہ بھی یقین ہے کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں[۱]۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاذ ہیں کسی نے ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اسی قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث کی روایت کی اجازت دی اور شعبہ تو آخر شعبہ ہی ہیں[۲]"

امام ابوحنیفہ کی تحصیلِ علم کی جولانگاہ یہیں تک نہ رہی بلکہ آپ نے حرمین کا بھی سفر کیا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی فقیہ اور محدث بغیر حرمین سے خوشہ چین ہوتے فقیہ اور محدث تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں، اس لیے آپ نے حرمین کا قصد کیا، جس وقت امام ابوحنیفہ مکہ پہنچے تو وہاں درس و تدریس کا عام رواج تھا، متعدد اساتذہ جو فنِ حدیث میں کمال رکھتے تھے، صحابہ کی علمی مجلس کے صحبت یافتہ تھے، ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔

(۱) عطاء مشہور تابعی تھے، اکثر صحابہ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن سائبؓ، عقیلؓ، رافعؓ، ابوالدرداءؓ، ابوہریرہؓ، اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو صحابہ سے ملا ہوں، مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہوتے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں، حج کے زمانے میں سرکاری منادی تھی کہ عطاء کے علاوہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے[۳]۔

امام ابوحنیفہؒ ان کی صحبت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہونے لگے، عطاء نے ابتداء میں عقیدہ دریافت کیا آپ نے فرمایا، میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضا و قدر کا قائل ہوں۔ عطاء نے حلقۂ درس میں شرکت کی اجازت دے دی[۴]۔ روز بروز ان کی ذہانت اور طباعی کے جوہر ظاہر ہونے لگے،

۱؎ عقود الجمان باب دہم، تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۴۳

۲؎ ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۵۷۱　　　۳؎ عقود الجمان باب عاشر۔

اور استاذ کی جوہر شناس نگاہوں میں برابر قدر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ جب آپ حلقۂ درس میں شریک ہوتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے[1] عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے، امام صاحب جب بھی مکہ حاضر ہوتے ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے، اور صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔

عطاء کے علاوہ مکہ سے اور جن محدثین سے حدیث کی سند لی، ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد ہیں، جنہوں نے خاص توجہ سے ان کی علمی تربیت فرمائی تھی اور اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا[2]

عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، مثلاً حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عامرؓ، صفوانؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ، عائشہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، کم و بیش ستر مشہور تابعی حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں[3] امام بخاری فرماتے ہیں ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو عکرمہ سے بے نیاز رہا ہو[4]

۱۰۲ھ میں امام صاحبؒ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا جو حدیث کا مخزن اور علوم نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کا ایک گروہ وہاں علم و افتاء کا مرجع عام تھا، جو فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور تھا، مگر جب ابوحنیفہ مدینہ پہنچے تو صرف اس سلسلۃ الذہب کے دو نادر موتی موجود تھے، سلیمان اور سالم بن عبداللہ۔ سلیمان. ام المومنین حضرت میمونہ کے غلام تھے اور فقہاء سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا، سالم حضرت عمرؓ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی، امام ابوحنیفہ ان دونوں حضرات کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

موسمِ حج میں امام ابوحنیفہؒ مہینوں وہاں مقیم رہتے اور دور دور سے آنے والے علماء سے اور اہلِ کمال سے استفادہ کرتے، امام اوزاعی اور مکحول سے مکہ ہی میں تعارف حاصل کیا، اور حدیث کی سند لی۔

---

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن حزلہ [2] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۶۵

[3] تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ [4] ،، ،، صفحہ ۲۷۰

اسی طرح امام باقر کی مدینہ میں شاگردی اختیار کی، امام ابوحنیفہ جب دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک شخص نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا "ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو"۔ امام ابوحنیفہؒ نے نہایت ادب سے جواب دیا کہ عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابوحنیفہؒ: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقرؒ: عورت۔

ابوحنیفہؒ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقرؒ: مرد کا۔

ابوحنیفہؒ: اگر میں قیاس پر عمل کرتا تو کہتا عورت کو زیادہ ملنا چاہیے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔

ابوحنیفہؒ: نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقرؒ: نماز

ابوحنیفہؒ: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے، نہ کہ روزہ کی، حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔

امام باقرؒ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی[1]۔

امام صاحبؒ کی قلتِ روایت کے اسباب | یہ بات صحیح ہے کہ امام صاحبؒ محدث کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے، اور یہ کوئی عیب کی بات بھی نہیں ہے کیوں کہ بہت سے ایسے صحابہ گزرے ہیں، جو حضور اکرمؐ کی طویل مصاحبت کے باوجود روایت کے اعتبار سے قلیل الروایہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو تمام صحابہ میں طویل صحبت اور محرمِ اسرارِ نبوی کا فخر حاصل ہے مگر احادیث مرویہ کی تعداد صرف سترہ۱۷ ہے، حضرت عمر فاروقؓ سے صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف ان کے حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۲۴۶ حضرت انس سے ۲۲۸۶ حضرت عبداللہ بن عباس سے

[1] عقود الجمان

۲۶۰۔ اگر روایتوں کی کثرت ہی معیار ہے تو نعوذ باللہ خلفاء اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا حافظہ کمزور تھا، یا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی طرف توجہ نہ تھی۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ صحابہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جن کا علمی سرمایہ زیادہ تر مرویات ہیں۔ مثلاً ابو الدرداءؓ اور ابی بن کعب وغیرہ۔ ۔ اور صحابہ کے دوسرے گروہ کا طریق عمل یہ تھا کہ زیادہ تر حدیثیں فتاویٰ کی صورت میں بیان کرنا تھا۔ ابن حجر مقدمۂ اصابہ میں لکھتے ہیں:

اکثر الصحابہ فتوی مطلقاً سبعۃ، عمرؓ وعلی وابن مسعود وابن عمر وابن عباس و زید بن ثابت وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قال ابن حزم یمکن ان یجمع من فتیا کل واحد من ھٰؤلاء مجلد ضخیم[1]

سات صحابہ جن کا طریق عمل عام طور پر فتاویٰ رہا، مثلاً عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ابن حزم کا خیال ہے اور یہ حقیقت بھی ہے، کہ اگر ان لوگوں میں سے ہر ایک کے فتاوے کو جمع کیا جائے تو ہر ایک کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد اور محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں، محدث مواعظ و قصص، فضائل و مناقب اور سیر و اخبار ہر قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے۔ مجتہد کی نظر زیادہ تر ان احادیث پر پڑتی ہے جس سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجتہدین محدثین کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل الروایہ رہے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ قاضی ابن عبد البر نے کتاب "الانتہاء فی الثلثۃ الفقہاء" میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ پر اکتفا کی ہے، امام احمد بن حنبل پر مجتہد ہونے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ مؤطا میں امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی ہیں، امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ آپ لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہیں، امام ترمذی کے شیخ قاضی یحییٰ بن اکثم اکثر حسرت

[1] اصابہ جلد اوّل صفحہ ۹

سے فرمایا کرتے تھے کہ "اگر امام شافعی نے علمِ حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا"[1]

ابن حجر امام شافعیؒ کے شیوخ حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ[2] عام محدثین کی طرح امام شافعی کے شیوخ زیادہ نہیں ہیں، کیونکہ ان کی توجہ فقہ کی طرف تھی۔

ابن حجر نے قلتِ شیوخ کی جو وجہ امام شافعی کے لیے لکھی ہے بعینہٖ وہی وجہ امام ابوحنیفہؒ کی قلتِ روایت کے لیے بھی ہے، مگر افسوس بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسعت دی اور امام صاحب کے قلتِ روایت کے قائل ہو گئے۔

امام صاحب کی شروطِ روایت احادیث کی روایت کے لیے امام صاحبؒ نے جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو عام طور پر عام محدثین کے یہاں مسلّم ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جس میں آپ منفرد ہیں یا امام مالکؒ اور بعض مجتہدین آپ کے ہم زبان ہیں۔ کچھ شروط کا تذکرہ ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی حدیث روایت کرنے کے بعد بھول جائے تو عام محدثین کے یہاں وہ حدیث قابلِ حجت رہے گی لیکن امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب اس حدیث کو ناقابلِ عمل فرماتے ہیں[3]

(۲) حدیث وہی قابلِ حجت ہے جو راوی اپنے حفظ اور اپنی یاد کے مطابق روایت کرے۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے اور بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ اگر کوئی دوسرے کے لکھے ہوئے نسخہ کو دیکھ کر روایت کرتا ہے تو وہ روایت قبول کر لی جائے گی[4]

(۳) اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا اس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جابجا بٹھا دیئے جاتے تھے کہ وہ شیخ کے الفاظ کو دور تک پہنچائیں۔ اس لیے لامحالہ دور بیٹھنے والے لوگ مستملی کے الفاظ سن کر حدیث کی روایت کرتے تھے، اب یہ سوال اٹھا کہ وہ شخص اصل شیخ کی

---

[1] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۶ [2] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۶

[3] مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۵۵ [4] مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۱۰۲

نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں، اکثر ارباب روایت کا مسلک ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں، ائمہ محدثین میں حافظ ابونعیم، فضل بن دکین، ابن قدامہ، امام صاحب کے ہم زبان ہیں، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل بھی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔[1]

(۴) راوی نے اپنے مخطوطہ نسخہ میں اپنے شیخ سے سماع کو لکھا ہوا پایا مگر اسے خود اپنے شیخ سے سماع یاد نہیں، امام صاحب ایسی روایت کی اجازت نہیں دیتے، اور بقیہ ائمہ ایسی روایت کی اجازت دیتے ہیں۔[2]

اہل کوفہ کے یہاں روایت بالمعنیٰ درست تھی اور اسی کا طریقہ عام تھا، اور ایسے بہت کم لوگ تھے جو الفاظِ حدیث کی پابندی کرتے تھے، اس لیے روایت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ سے بڑھتا رہتا تھا، اس چیز نے امام ابوحنیفہ کو سخت احتیاط پر مجبور کیا۔ ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ معتزلہ کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔

فنِ حدیث میں سب سے بڑا کام امام صاحبؒ نے اصولِ درایت کو قائم کر کے کیا اور ان کو احادیث کی چھان بین میں برتا۔ اربابِ روایت نے جتنی توجہ فنِ روایت میں برتی اس کی نظیر دنیا کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی، مگر اسی کے ساتھ یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اصولِ درایت کی طرف چنداں توجہ نہیں کی۔ بایں ہمہ اصحابِ سیر لکھتے ہیں کہ اس فن پر بھی بعض تصنیفیں لکھی گئیں ہیں، مگر وہ اس قدر کم اور غیر معروف ہیں گویا ہیں ہی نہیں، حالانکہ اصول فن حدیث کے لیے اصول درایت نہایت اہم اور ضروری ہے، یہ عزت صرف امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اس وقت ان کی باریک بیں نگاہ اس نکتہ تک پہنچی، اصولِ درایت کے بارے میں علامہ ابن جوزی محدثین کے اصول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۱۸ [2] مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۰۵

كل حديثٍ رأيته يخالف العقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا تتكلف اعتباره اى لا تعتبر رواته ولا تنظر فى جرحهم اويكون مما يدفعه الحس والمشاهدة او مباينا لنص الكتاب او السنة المتواترة والاجماع القطعى حيث لا يقبل شيئٌ من ذالك التاويل او تتضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير او بالوعد العظيم على الفعل اليسير وهٰذا الاخير كثير موجود فى حد القُصّاص والطرقية[1]

ہر وہ حدیث جس کو تم عقل کے مخالف پاؤ یا اصول کے مناقض پاؤ تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کے تحقیقِ حال کی کچھ ضرورت نہیں، اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس اور مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن، حدیث، متواتر، اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابلِ تاویل نہ ہو۔ یا جس میں ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام صاحبؒ نے اصولِ درایت کے بارے میں جو اصول قائم کیے وہ یہ ہیں:

(۱) جو حدیث عقلِ قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں ان کے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار آحاد کے درجے سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔

امام بخاری نے امام صاحبؒ سے روایت کیوں نہیں لی؟

یہ صحیح ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے امام صاحبؒ سے روایتیں کم لی ہیں، مگر یہ سلوک صرف امام صاحب ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ امام شافعی جن کو ائمہ حدیث نے احادیث کا مخزن تسلیم کیا ہے، ان کی سند سے صحیحین میں ایک حدیث بھی مروی نہیں ہے بلکہ بخاری اور مسلم نے صحیحین کے علاوہ بھی اپنی کسی تصنیف میں ان سے روایت نہیں لی، امام رازی نے اگرچہ اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں، مگر کوئی معقول

[1] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۲ [2] لفظ عقل سے مراد امام صاحب کے یہاں وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں، جس کی رو سے شریعت کے بہت سے مسائل برباد ہو جاتے ہیں۔

وجہ نہ بتا سکے، صحیحین پر کیا موقوف ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی نے بھی بہت کم ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کے سلسلۂ رواۃ میں امام شافعی کا ذکر موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے رُواۃ کے ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اس میں اہلِ نظر ہی کیا بلکہ اکثر لوگوں کے لیے کم گنجائش تھی، علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ خود امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ:

لم اکتب الاعمن قال الایمان قول وعمل [1]	میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لی جس کا قول یہ نہ رہا ہو: الایمان قول وعمل

اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہؒ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

مجتہدین کا جو وصف مابہ الامتیاز ہے وہ ہے دقّتِ نظر، قوتِ استنباط، استخراجِ مسائل، تفریعِ احکام، مگر بعض محدثین کے نزدیک یہی باتیں نقص میں داخل ہیں، علامہ ابوجعفر محمد جریر طبری، قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں:

وتحامی حدیثہ قوم من اھل الحدیث من أجل غلبۃ الرأی علیہ وتفریعہ الفروع والاحکام مع صحبۃ السلطان وتقلدہ القضاء [2]	اربابِ حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے صرف اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ وہ اہل الرائے تھے اور فروعِ احکام کی تفریع کیا کرتے تھے اور بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصبِ قضا پر مامور تھے۔

اگر فروعِ مسائل اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بلاشبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

امام صاحب کی تصنیفات امام صاحب کی تصنیفات ظاہری اعتبار سے کم ہیں اور معنوی حیثیت سے زیادہ۔ جو تلامذہ کی کاوشوں سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ آپ کا عام معمول درس وتدریس رہا۔ دوسرے آپ کے دور میں تصنیفات کا چنداں رواج نہ تھا، مگر اس کے باوجود بعض تصنیفات

[1] مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷۹
[2] ابن خلکان جلد سوم صفحہ ۳۲۴

موجود ہیں، (۱) رسالہ الی عثمان البتی (۲) کتاب العالم والمتعلم (۳) فقہ الاکبر (۴) مسند امام اعظم

(۱) عثمان بتی جو اپنے وقت کے مشہور محدّث تھے آپ کے معاصر تھے، امام صاحب کے متعلق عام طور پر غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں، جو عثمان بتی تک بھی پہنچیں۔ آپ نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا، اور بتایا کہ آپ کو لوگ مرجئہ لکھتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کو گمراہ کہنا جائز قرار دیتے ہیں۔ مجھے ان باتوں سے نہایت رنج ہوا۔ اس کے جواب میں آپ نے شکریہ کے ساتھ مفصل خط لکھا اور غلط باتوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اپنی رائے لکھی، اور آخر میں لکھا، میرا یہ قول ہے کہ اہلِ قبلہ سب مومن ہیں، اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے، جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن ہے اور جنتی ہے۔ جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے، لیکن گنہگار مسلمان ہے، خدا کو اختیار ہے اس کو عذاب دے یا معاف کر دے[1]

(۲) کتاب العالم والمتعلم صاحبِ کشف الظنون لکھتے ہیں:

لابی حنیفۃ (امامنا الاعظم نعمان بن ثابت رحمہ اللہ)[2] اس کتاب کی ابتدا ان کلمات سے ہے الحمد للہ حیا لا یموت الخ، یہ کتاب سوال و جواب کے طور پر ایک رسالہ ہے جو عقائد اور نصائح پر مشتمل ہے، جس کو مقاتل نے امام صاحب سے روایت کیا ہے۔

(۳) فقہ الاکبر، صاحب کشف الظنون اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (متوفی سنہ ۱۵۰ھ) کا ہے جو کلام و عقائد پر مشتمل ہے، جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے۔ علماء نے اس کی مختلف شرحیں لکھی ہیں، مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی سنہ ۹۵۶ھ نے اس کی مفصل شرح لکھی اور اس کا نام القول الفصل رکھا ہے۔ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی (المتوفی سنہ ۸۹۱ھ، مولی احمد بن محمد المغنیساوی، حکیم اسحق وغیرہم، ابوالبقاء الاحمدی نے سنہ ۹۱۸ھ میں اس کو منظم کیا اور اس کا نام "عقد الجوہر نظم الفقہ الاکبر"

---

[1] کشف الظنون صفحہ ۸۴۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۳۷

رکھا۔ اسی طرح ابراہیم بن حسام جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں نظم میں لکھا، ملا علی قاری نے بھی اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "منح الازہر" رکھا، جو عام طور پر زیادہ متداول ہے۔ اسی طرح شیخ اکمل الدین نے بھی شرح لکھی اور اس کا نام الارشاد رکھا۔[1]

(۴) مسند الامام الاعظم۔ صاحب کشف الظنون اس کے مفصل تعارف میں لکھتے ہیں:

"اس کو حسن بن زیاد اللؤلؤی نے روایت کیا ہے اور اس کو شیخ قاسم بن قطلوبغا (المتوفی ۸۷۹ھ) نے مرتب کیا ہے، جو ابواب فقہ کے ساتھ مروی ہے۔ اس کی شرح میں امالی دو جلدوں میں لکھی، جمال الدین بن احمد القونوی (المتوفی ۷۷۰ھ) نے "مسند المختصر" جس کا نام "المعتمد" رکھا ترتیب دیا، ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی (المتوفی ۶۶۵ھ) نے مسند کے متعدد نسخوں کو جمع کیا۔[2] دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا، اور اس وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے، اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا، اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کیے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ، (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسین محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عبد الجرجانی، (۷) مسند امام حافظ عمر بن الحسن الاشنانی (۸) مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف القاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی (۱۳) امام حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی (۱۴) امام ماوردی۔[3]

با ایں ہمہ ان مسانید کے علاوہ جو کتابیں فقہ حنفی میں متداول ہیں۔ قرآن و احادیث اور اقوال صحابہ

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۲۸۷ [2] دائرۃ المعارف سے دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے [3] کشف الظنون صفحہ ۱۶۸۰

کی روشنی میں جمع کی گئی ہیں، ہدایہ کی احادیث مجموعی شکل میں "نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ" چار جلدوں میں ہے[1] اسی طرح کوئی شخص فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے اگر صرف امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار" ابوبکر جصاص کی احکام القرآن اور امام سرخسی کی المبسوط کو دیکھ لے تو قلتِ حدیث کی تمام غلط فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں[2]

اجمالی بحث مخالفین نے امام صاحب کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اور ہر طرح کی رطب و یابس باتیں آپ کی طرف منسوب کر دیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس کے اساتذ شعبی، سماک بن حرب عون بن عبداللہ بن عتبہ، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ہشام بن عروہ، قتادہ، شعبہ، عطاء، عکرمہ اور امام باقر جیسے جلیل القدر تابعی اور اپنے وقت کے امام ہوں جن کی روایتوں سے بخاری اور مسلم مالامال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی امام صاحب کے شاگردوں پر نظر ڈالیے۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فنِ جرح و تعدیل کے امام ہیں، عبدالرزاق بن ہمام جن کی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یزید بن ہارون جو امام احمد کے استاذ تھے۔ وکیع بن الجراح جن کی نسبت امام احمد کہا کرتے تھے کہ حفظ و اسناد روایت میں میں نے ان کا ہمسر کسی کو نہیں پایا۔ عبداللہ بن المبارک جو فنِ حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جن کو علی بن المدینی (استاذ بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے، یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے، بلکہ برسوں آپ کے دامنِ فیض میں تعلیم پائی، اور اس انتساب پر ان کو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدائے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے کہ صاحبِ ابی حنیفہ کہلاتے تھے۔ کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے، کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟[3]

---

[1] دار المامون مصر سے ۱۳۵۷ھ میں طبع ہو چکی ہے [2] اسی طرح اعلاء السنن ۱۸ جلدوں میں اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہو چکی ہے

[3] ان حضرات کے حالات مطلوب ہوں تو تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، تہذیب الاسماء واللغات، خلاصہ تہذیب الکمال، تاریخ ابن خلکان، الجواہر المضیئہ دیکھیے۔

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہدِ مطلق ہونا ایک ایسا مُسلّم مسئلہ ہے جس سے غالباً آج تک شاید ہی کسی نے انکار کیا ہو، اجتہاد کی تعریف خود علماء حدیث مثلاً بغوی، رافعی، نودی وغیرہ نے ان الفاظ میں کی ہے :

"مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، مذاہبِ سلف، لغت، قیاس، ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو، یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں، جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں، جس قدر علمِ لغت درکار ہے، سلف کے جو اقوال ہیں، قیاس کے جو طرق ہیں، تمام وجوہ سے واقف ہو، اگر ان میں سے کسی میں کم دخل ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس کو تقلید کرنی چاہیے"[1]

محدثین میں بھی اکثر نے آپ کے فن حدیث کی واقفیت اور دستگاہ کا اعتراف کیا ہے، علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں حفاظِ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، دیباچہ میں لکھتے ہیں :

هٰذه تذكرة باسماء معدّلی حملة العلم النبوی ومن يرجع الی اجتهادهم فی التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزييف[2] کہ یہ تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف اور تصحیح اور تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے۔

علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے، اس بنا پر خارجہ بن زید بن ثابت کے ضمنی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو حفاظِ حدیث میں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے[3] امام صاحب کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب اس عنوان سے باندھا ہے الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرة حدیثه وکونه من اعیان المحدثین، یعنی تئیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان حفاظ سے تھے۔ قاضی ابویوسف جن کو

[1] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۵، ۶ [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۲ [3] ایضاً صفحہ ۸۰

یحیی بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے تھے، جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تھی، تو میں حلقۂ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کر کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا، امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے اور بعض کو رد فرما دیتے، میں پوچھتا آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کوفہ میں جو علم ہے میں اس کا عالم ہوں۔[1]

ابن خلدون کی جس عبارت کا ابتدا میں حوالہ دیا گیا ہے اور جس سے عام طور پر قلیل الروایۃ کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، علامہ موصوف کچھ سطروں کے بعد ہی لکھتے ہیں:

ولا سبیل الیٰ ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ لان الشریعۃ انما توخذ من الکتاب والسنۃ ومن کان قلیل البضاعۃ من الحدیث فیتعین علیہ طلبہ وروایتہ والجد والتشمیر فی ذالک لیاخذ الدین عن اصول صحیحۃ[2]	ائمۂ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اس کو تلاش اور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے۔

چند سطور کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ویدل علی انہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اعتماد مذھبہ بینھم والتعویل علیہ واعتبارہ ردًا وقبولًا[3]	فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور ردًا وقبولًا اس سے بحث کی جاتی ہے۔

---

[1] عقود الجمان [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۰۷ [3] ایضاً

رسائل و مسائل

کیا حضرت علیؓ حق پر تھے ؟

سوال - میں ایک مسئلہ میں آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے محرم کے ایام میں اپنی ایک تقریر میں فرمایا ہے کہ حق علیؓ کے ساتھ تھا۔ اس کا مطلب تو یہی نکلا کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنے والے لوگ باطل پر تھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ کی تین گروہوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں ہوئیں لیکن انہوں نے حدود اللہ سے تجاوز نہ کیا اور مقابل گروہ کے افراد کو نہ تو کبھی قتل کیا اور نہ ان کے بیوی بچے لونڈی غلام بنائے۔ آخر حضرت علیؓ نے کونسی لڑائی میں فتح پائی تھی کہ وہ یہ انداز اختیار کرتے ؟

حضرت علیؓ کو حضورؐ کی وفات کے بعد حکومت کی ہمیشہ خواہش رہی۔ روایات کے مطابق انہوں نے کافی عرصہ تک حضرت صدیقؓ کی بیعت نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے جب چھ آدمیوں پر مشتمل کمیٹی قائم کی تو ان میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ باقی اصحاب تو دست بردار ہو گئے لیکن جب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا معاملہ آیا تو عثمانؓ متفقہ طور پر خلیفہ چن لیے گئے۔ جس پر حضرت علیؓ بڑے برہم ہوئے اور مسجد سے باہر نکل گئے اور بعد میں آکر بیعت کی۔ اس کے بعد جب خود حضرت علیؓ کو خلیفہ چنا گیا تو چننے والے مدینے کے چند اصحاب ہی بچے کیا وہاں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے ؟ کیا حضرت معاویہؓ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ان کی خواہ مخواہ بیعت کرتے ؟

اسی طرح جب حضرت حسینؓ کا وقت آیا تو سب صحابہ نے انہیں کوفہ جانے سے منع بھی کیا لیکن آپؓ نے کسی کی بات بھی نہ سنی۔ آپ ہی فرمائیں کہ ایک منظم حکومت کے مقابلہ میں

جب کہ سوائے ہلاکت کے کچھ نظر نہ آتا ہو، مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہونا کوئی دانشمندانہ اقدام ہے ؟ کیا اسلام یہی تعلیم دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر جبکہ بالکل انسان بے بس ہو کسی منظم حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو تو اس کا انجام ایسا ہی ہو گا۔

جواب۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جو سوالات چھیڑے ہیں ان کا مفصل جواب دوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک طویل مضمون لکھوں جس کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔ اور مختصر جواب دوں تو وہ آپ کو مطمئن کرنے میں اس سے زیادہ ناکام ہو گا جتنی اس تقریر کی رپورٹ ناکام ہوئی ہے جس پر آپ نے یہ سوال اٹھائے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ میرے یہ خیالات معلوم کرنے کے بعد خود اس مسئلے پر مطالعہ کرتے اور اصل حقائق معلوم کرنے کی کوشش کرتے ؟ آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ جیسے محتاط فقیہ کی رائے بھی یہی تھی کہ حضرت علیؓ کی جتنی لڑائیاں بھی مختلف گروہوں سے ہوئیں ان میں حق حضرت علی ہی کے ساتھ تھا۔ بلکہ جنگِ صفین میں حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد ہی علمائے اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ فریقِ مقابل کی حیثیت باغی گروہ کی ہے، کیونکہ حضورؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ عمار بن یاسر کو ایک فئۃ باغیہ قتل کرے گی۔ آپ نے اس بات کو بھی فراموش کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور پیشگوئی کی رُو سے خلافت کا دَور حضورؐ کے بعد تیس سال تک تھا اور اس کے بعد ملوکیت شروع ہو گئی۔ اس اعتبار سے حضرت علیؓ کی خلافت کو خود حضورؐ کی توثیق حاصل ہے اور امیر معاویہؓ کی حکومت خلافت کے بجائے بادشاہی قرار پاتی ہے۔ آپ نے یہ بات بھی نظر انداز کر دی کہ علمائے اہلِ سنت بالاتفاق حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفۂ راشد مانتے ہیں، اس کو انہوں نے عقائد اہلِ سنت کی کتابوں میں ثبت کیا ہے، اور صدیوں سے منبروں پر اس کا اعلان ہو رہا ہے تاکہ شیعہ اور خوارج سے اہلِ سنت کے مسلک کا امتیاز واضح ہو۔ اس کے برعکس مجھے کسی ایک بھی قابلِ ذکر عالم کا نام معلوم نہیں ہے جس نے امیر معاویہ کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہو۔ آپ نے اس بات کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا کہ تمام فقہائے اہلِ سنت اپنی کتابوں میں خلفاء اربعہ کے فیصلوں کے نظائر

سے استدلال کرتے ہیں، مگر بنی امیہ میں سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے فیصلوں کے سوا انہوں نے اور کسی کے فیصلوں کا حوالہ فقہی مسائل میں نہیں دیا ہے۔ ان امور کو نگاہ میں رکھ کر آپ صحیح نقطۂ نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیجیے اور طبقات ابن سعد، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہ مآخذِ اصلیہ کو پڑھیے۔ اس کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ کو مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

حضرت حسینؓ کے معاملہ میں جو ذہنی الجھنیں بعض حضرات نے دماغوں میں ڈال دی ہیں ان سب کو صاف کرنا اس خط میں میرے لیے مشکل ہے۔ کبھی فرصت ہوئی تو ایک مفصل مضمون لکھوں گا۔ سردست صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اگر ان حضرات کا نقطۂ نظر اختیار کر لیا جائے تو مسلمانوں کی حکومت ایک دفعہ بگڑ جانے کے بعد پھر اس کی اصلاح کے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تو اسے بدلنے کی ہر تدبیر گناہ قرار پائے گی اور بگڑے ہوئے حاکموں کی اطاعت میں سر جھکا دینا صواب بن جائے گا۔ یزید کی خلافت بھی برحق ہو تو آج کے ظالم و جبار لوگ کیا برے ہیں۔ ان کے خلاف کیوں شور مچائیے۔

تصویر سے اظہارِ براءت

سوال۔ ماہ جولائی ۶۲ء کے ترجمان القرآن میں تفہیم القرآن میں تصویر کے مسئلہ کو جس خوبی سے آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں حل کیا ہے ایمان کی بات ہے کہ ذہن مسلمان ہو تو حق بات دل میں اُتر کر رہتی ہے۔ اگر واقعی حدیث پاک کی رُو سے تصویر حرام ہے تو پھر اللہ گواہ ہے کہ آپ جیسے عالم دین کی تصویر اخبار کے صفحات پر دیکھی جائے تو بڑا رنج ہوتا ہے۔ عموماً علمائے کرام تصویر کو ناجائز فرماتے ہیں مگر ان کا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یہ بات کم از کم مجھے سمجھا دیں کہ حرام کام کرنے سے جو سزا اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے وہ کیسے ٹل سکتی ہے۔

جواب۔ آپ شاید اس خیال میں ہیں کہ آج کل بھی کسی شخص کی تصویر اسی وقت اُتر سکتی ہے جب وہ خود کھچوائے، حالانکہ اس زمانے میں آدمی کی تصویر بالکل اسی طرح اُتاری جاتی ہے جیسے کسی شخص کو اچانک گولی ماردی جائے۔ اخبارات میں میری جو تصویریں شائع ہوئی ہیں ان میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تصویر کے بارے میں میں نے اپنا مسلک شروع سے واضح کر رکھا ہے۔ اگر اس کے باوجود بھی لوگ تصویر لینے سے باز نہیں آتے تو اس کی ذمہ داری ان کی گردن پر ہے اور آپ کو مجھ سے پوچھنے کے بجائے اُن سے پوچھنا چاہیے۔

لفظ نکاح کا اصل مفہوم

سوال۔ ترجمان القرآن بابت ماہ مارچ ۶۲ء میں تفہیم القرآن کے تحت آپ نے جو احکام مستنبط فرمائے ہیں، ان میں سے پہلے ہی مسئلہ میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ "قرآن نکاح کا لفظ بول کر صرف عقد مراد لیتا ہے" یا "قرآن اسے اصطلاحاً صرف عقد کے لیے استعمال کرتا ہے"۔ یہ قاعدۂ کلیہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ہاں کے غالب فقہی مسلک یعنی حنفیہ کے نزدیک ناقابلِ تسلیم ہے بلکہ جمہور اہلِ تفسیر کی تصریحات کے بھی منافی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک ایسی بات جس کے حق میں شاید ہی کسی نے رائے دی ہو آپ نے قاعدۂ کلیہ کے طور پر بیان فرمادی ہے۔

جواب۔ یہ ایک لمبی بحث ہے کہ لغت کے اعتبار سے نکاح کے معنی کیا ہیں۔ علمائے لغت میں اس امر پر بہت کچھ اختلاف ہُوا ہے کہ عربی زبان میں نکاح کے اصل معنی کیا ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ لفظ وطی اور عقد کے درمیان لفظاً مشترک ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ ان دونوں میں معنیً مشترک ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کے اصل معنی عقدِ تزویج کے ہیں اور وطی کے لیے اس کو مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ اس کے اصل معنی وطی کے

ہیں اور عقد کے لیے مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن راغب اصفہانی نے پورے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ "لفظ نکاح کے اصل معنی عقد ہی کے ہیں۔ پھر یہ لفظ استعارۃً جماع کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور یہ بات محال ہے کہ اس کے اصل معنی جماع کے ہوں اور استعارے کے طور پر اسے عقد کے لیے استعمال کیا گیا ہو" اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جتنے الفاظ بھی جماع کے لیے عربی زبان میں، یا دنیا کی کسی دوسری زبان میں حقیقۃً وضع کیے گئے ہیں وہ سب فحش ہیں۔ کوئی شریف آدمی کسی مہذب مجلس میں ان کو زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتا۔ اب آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لفظ حقیقۃً اس فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو اُسے کوئی معاشرہ شادی بیاہ کے لیے مجاز و استعارے کے طور پر استعمال کرے۔ اس معنی کو ادا کرنے کے لیے تو دنیا کی ہر زبان میں مہذب الفاظ ہی استعمال کیے گئے ہیں نہ کہ فحش الفاظ۔

علمائے احناف بالعموم یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لفظ حقیقتاً وطی کے لیے اور مجازاً عقد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ احناف کی متفق علیہ رائے نہیں ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ اس لفظ کو وطی اور عقد کے درمیان مشترک معنوی بھی قرار دیتے ہیں۔ پھر نکاح کی شرعی تعریف تو ان کے ہاں یہی ہے کہ "ھو عقد یفید ملك المتعۃ قصداً" یا "عقد وضع لتملیك منافع البضع"۔

میرے نزدیک قرآن و سنت میں نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد لازماً عقد تزویج ہی ہے اور جب یہ لفظ مطلقاً استعمال ہوگا تو اس سے مراد عقد ہی لیا جائے گا الّا یہ کہ کوئی قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ یہاں مراد محض وطی یا عقد مع الوطی ہے۔ رہی وطی بلا عقد تو اس کے لیے لفظ نکاح کے استعمال کا جواز لغت میں تو ہو سکتا ہے لیکن قرآن و سنت میں اس کی کوئی مثال میرے علم میں نہیں ہے۔ آپ کے علم میں ہو تو پیش فرمائیں۔

[اس کے جواب میں سائل نے فقہ کی بعض کتابوں سے مفصل عبارتیں نقل کر کے بھیجیں۔ اس پر ان کو حسبِ ذیل جواب دیا گیا۔ م]

افسوس ہے کہ کسی مسئلے پر زیادہ طویل بحث کی فرصت مجھے میسر نہیں۔ تاہم میں اجمالاً

ایک بار پھر اپنے مدعا کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ اس کے بعد بھی اطمینان نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ آپ اپنی رائے پر قائم رہ سکتے ہیں اور میں اپنی رائے پر۔

نکاح سے مراد عقد اور وطی بعد عقد لینے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ آیا اس سے مراد وطی بغیر عقد بھی لی جا سکتی ہے؟ اس چیز کے ماننے میں مجھے تأمل ہے، کیونکہ شرعاً اس کے لیے زنا اور سفاح وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور اس قبیح فعل پر لفظ نکاح کا اطلاق جائز تسلیم کرنے کے لیے اُن دلائل سے زیادہ قوی دلائل کی ضرورت ہے جو آپ نے نقل فرمائے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ نکاح کا لفظ اصلاً فعل مباشرت کے لیے وضع ہوا تھا اور پھر مجازاً عقد کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ فعلِ مباشرت کے لیے دنیا کی جس زبان میں بھی کوئی لفظ وضع ہوا ہے (یعنی جو استعارہ و کنایہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ صراحۃً اسی فعل کے لیے موضوع ہے) وہ قبیح و شنیع ہے اور کسی زبان میں بھی اس کو عقد کے لیے مجازاً استعمال نہیں کیا گیا ہے! اردو زبان میں اس فعل کے لیے جو لفظ مستعمل ہے اسے آخر کون شخص بیاہ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

خود آپ کے پیش کردہ حوالوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ لفظ نکاح کے اصل معنی ضم کے ہیں۔ اب کیا یہ بات ماننے کے لائق ہے کہ یہ لفظ اصلاً مجرد فعلِ مباشرت کے لیے (بلا لحاظ اس کے کہ عقد ہو یا نہ ہو) وضع ہوا تھا؟

بلاشبہ ایسی مثالیں لغت میں ملتی ہیں جن میں یہ لفظ محض مباشرت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس لفظ کا اصل مفہوم مباشرت ہے اور عقد کے لیے یہ مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن اور حدیث سے جو مثالیں آپ نے دی ہیں ان پر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جس کی دوسری تاویل ممکن نہ ہو۔ مثلاً میں زنا سے حرمت مصاہرت کا قائل ہوں۔ مگر میرے نزدیک قرآن کی آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ کا مطلب

یہ نہیں ہے کہ "جن عورتوں سے تمہارا باپ زنا کر چکا ہو ان سے تم نہ زنا کرو اور نہ عقد" بلکہ میں اس کا مطلب یہی لیتا ہوں کہ جن عورتوں سے باپ کا نکاح ہو چکا ہو ان سے اولاد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس سے بالتبع یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ باپ سے جس عورت کا بھی شہوانی تعلق کسی طرح ہو گیا ہے وہ بیٹے پر حرام ہے اور بیٹے کا تعلق جس عورت سے ہو گیا ہے وہ باپ پر حرام ہے۔ ناکح الید ملعونٌ میں بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضورؐ نے استعارہ کی زبان میں اِستمنا بالید کرنے والے کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو اپنے ہی ہاتھ سے بیاہ کر رہا ہے۔ ایسی ہی تاویل دوسرے نظائر کی بھی کی جا سکتی ہے۔

حقیقی توبہ

سوال۔ اس سے قبل میں مبتلائے کبائر تھا مگر اس کے بعد توبۂ نصوح کر لی ہے اور اب آپ کی تحریک سے متأثر ہو کر اللہ کا شکر ہے کہ ایک "شعوری مسلمان" ہو گیا ہوں لیکن دن رات اپنے اُخروی انجام سے ہراساں رہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آخرت کی بجائے دنیا ہی میں اپنے کیے کی سزا بھگت لوں مگر افسوس کہ اسلامی سزا کا قانون ہی رائج نہیں، للہ آپ میری مدد فرمائیں اور کوئی مناسب راہ متعین فرمائیں۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ ہر اُس گناہ کو بخش دیتا ہے جس پر ایک مومن سچے دل سے نادم ہو کر تائب ہو اور پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔ توبہ کے ساتھ ساتھ اگر آدمی راہِ خدا میں کچھ صدقہ بھی کرے یا اللہ کی راہ میں کوئی قربانی اس نیت سے کرے کہ اللہ اپنی رحمت سے اس کا گناہ معاف فرما دے تو یہ چیز توبہ کی قبولیت میں اور زیادہ مددگار ہوتی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی توبہ قبول فرمائے اور آپ کو استقامت بخشے۔

عورت کی عصمت و عفت کا مستقبل

سوال۔ مارننگ نیوز (کراچی) کا ایک کٹنگ ارسال خدمت ہے۔ اس میں انگلستان کی عدالت طلاق کے ایک سابق جج سر ہربرٹ ونگٹن نے ایک مکمل بیوی کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس کٹنگ کا ترجمہ یہ ہے :

"رومن کیتھولک عدالت طلاق کے سابق جج سر ہربرٹ ولنگٹن نے اپنے ایک فیصلہ میں ایک مکمل بیوی کی چودہ خصوصیات گنائی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے : صوری کشش، عقلمندی محبت، نرم خوئی، شفقت، خوش اطواری، جذبۂ تعاون، صبر و تحمّل، غور و فکر، بے غرضی، خندہ روئی، ایثار، کام کی لگن اور وفاداری۔"

سر ہربرٹ نے اپنے فیصلہ میں کہا ہے کہ یہ تمام خصوصیات ان کی دوسری بیوی میں موجود تھیں جس سے انہوں نے اگست ۱۹۴۵ء میں اپنی بیوی کے انتقال کے بعد شادی کی تھی۔ سر ہربرٹ جنہوں نے اپنی عدالت میں سینکڑوں ناکام شادیوں کو فسخ کیا ہے، ۸۱ برس کی عمر پاکر جنوری ۱۹۶۲ء میں وفات پا گئے ہیں۔

اس کٹنگ سے واضح ہوتا ہے کہ سر ہربرٹ نے عفت یا پاکدامنی جیسی خوبی کو ان چودہ نکاتی فہرست میں برائے نام بھی داخل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ گویا اب پاکدامنی کا شمار عورت کی خوبیوں میں نہیں کیا جاتا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایک عورت پاکدامنی کے بغیر کس طرح خاوند کی وفادار رہ سکتی ہے ؟

جواب۔ آپ کا عنایت نامہ ملا جس کے ساتھ آپ نے انگلستان کی ایک عدالتِ طلاق کے جج کی وصیت ارسال کی ہے اور مجھے اس پر اظہارِ خیال کی دعوت دی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب کے ہاں سے یہ تخیل اب قریب قریب ختم ہی ہو چکا ہے کہ پاکدامنی بھی عورت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے۔ اختلاطِ مرد و زن کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے ہاں بدکاری بڑھتی چلی گئی یہاں تک

مطبوعات

کلمۂ طیبہ | تالیف: مولانا سید فردوس علی شاہ صاحب۔ ناشر: مکتبہ نذیریہ قصور۔ قیمت فی جلد سوا روپیہ۔ صفحات ۱۱۰۔

دینِ اسلام میں کلمۂ طیبہ ایک بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ معرفت کا سرچشمہ ہے جس سے اسلامی فکر و عمل کے سارے دھارے نکلتے ہیں، تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ یہ کلمہ صرف چند الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ اپنے اندر بڑے وسیع اور گہرے معانی رکھتا ہے۔ اور نہایت ہی اہم مضمرات کا حامل ہے۔ جو فرد یا قوم اس کلمہ کو دل و جان سے قبول کر لیتی ہے اُس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک نہایت ہی خوش گوار انقلاب رونما ہوتا ہے۔ کفار مکہ

(بقیہ رسائل و مسائل) کہ معاشرے کو اب اس کے رواجِ عام سے اپنے آپ کو مانوس کرنا پڑا۔ اب یہاں کوئی شخص بھی یہ توقع نہیں رکھتا کہ شادی کے روز اسے بیوی کنواری ملے گی اور شادی کے بعد بھی وہ باعفت اور وفا شعار رہے گی۔ وہاں مرد بالعموم کورٹ شپ کے دوران میں خود اپنی ہونے والی بیوی سے زنا کر چکا ہوتا ہے اور اکثر شادی ہی اس وقت ہوتی ہے جب لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں آخر آپ یہ توقع ہی کیسے کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں اب تک پاکدامنی عورت کی ایک محمود صفت اور بیوی کی ایک لازمی خوبی سمجھی جاتی رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا کیا ذکر ہے۔ ہمارے حکمراں طبقوں اور اونچی سوسائٹی کے لوگوں کی بدولت اب جس رفتار سے ہمارے ہاں اختلاطِ مرد و زن بڑھ رہا ہے اور خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے ضبطِ ولادت کے طریقوں کو جس طرح عام کیا جا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے خود ہمارے ہاں یہی حالات پیدا ہوتے نظر آتے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو یا تو ہدایت دے یا پھر ہماری قوم کو اُن سے نجات دے جو خود بگڑے ہیں اور ساری قوم کو بگاڑ دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

کو اس کلمہ کے الفاظ سے چڑ نہ تھی بلکہ یہ کلمہ جن غلط بنیادوں کو مسمار اور جن صحیح بنیادوں کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے وہ اُن کے لیے کسی طرح قابلِ قبول نہ تھیں۔ پورا دین صرف اسی ایک کلمہ کی تشریح و تفسیر ہے۔ مولانا سید فردوس علی شاہ صاحب نے نہایت اچھے پیرایہ میں کلمۂ طیبہ کی وضاحت فرمائی ہے اُن کے ایک ایک لفظ سے اُن کا خلوص اور نور ٹپکتا ہے۔ اُن کا اندازِ بیان بڑا حکیمانہ، دل نشین اور مؤثر ہے۔ کتاب کے آغاز میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ایک قیمتی مقدمہ لکھ کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی زبان، عمر اور قلم میں برکت دے۔

ماہنامہ سیارہ | ادارت: جناب ابو السلام نعیم صدیقی صاحب۔ مقامِ اشاعت: ۶۔ بی ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔ سالانہ چندہ دس روپے۔ صفحات ۱۱۴۔

جناب ابو السلام نعیم صدیقی صاحب پاک و ہند کے ایک مشہور اہلِ فکر، ایک صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ اسلامی ذہن رکھنے والا شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہو جسے اُن کے دینی و علمی مقالات کے فاضلانہ لب و لہجے، اُن کے سیاسی مضامین کے مجاہدانہ وقار اور اُن کے حکیمانہ اسلوبِ نگارش نے متاثر نہ کیا ہو۔ نعیم صاحب نے گزشتہ ۲۵ سالوں میں نثر کے میدان میں بھی گوہر لٹائے اور نظم کے سبزہ زاروں میں حسنِ تخیل، لطافتِ بیان اور جذبات و اثر کے پھول کھلائے۔ اس برِصغیر میں اسلامی ادب کی جو تحریک چلی ہے اس میں اُن کا حصہ بہت نمایاں ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتیں مجتمع کر کے انہیں ایک نہایت ہی اچھی راہ پر لگا دیا ہے۔ سیارہ کے ابھی صرف دو پرچے ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے مستقبل کے متعلق نہایت اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ پاکیزہ احساسات اور شریفانہ جذبات کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرنے کی یہ کامیاب کوشش ہر طرح کے تعاون کی پوری طرح مستحق ہے۔ مجلہ کا سرورق بڑا جاذبِ نظر اور طباعت و کتابت نہایت عمدہ ہے۔

آبِ رواں | از جناب سید شمیم حسین صاحب رجز، ایم - اے - ناشر: ادارہ تصنیف و تالیف اسلامیہ - ۱۸۷ امیور روڈ، لاہور

زیرِ تبصرہ کتاب قرآنِ حکیم کے پارۂ اوّل کے مطالب کی منظوم ترجمانی ہے - اس کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے متن لکھا گیا ہے، پھر اُس کے ساتھ مولانا شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے اور پھر نظم کی صورت میں قرآنِ حکیم کے مضامین کو عام فہم انداز میں بیان کر دیا گیا ہے - یہ کام خاصا مشکل ہے لیکن جناب شمیم صاحب کے خلوص اور اُن کی اس سے غیر معمولی دلچسپی نے راستے کی مشکلات کو کافی حد تک آسان بنا دیا ہے - اشعار کی زبان سلیس اور موثر ہے لیکن ان میں وہ شعریت پیدا نہیں ہو سکی جو کسی اچھی نظم کی جان ہوتی ہے - بعض مقامات پر آیات کی کتابت میں فاحش غلطیاں بھی ہو گئی ہیں - مثلاً ص۳۵ پر اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کو اِنِّیْ جاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً لکھ دیا گیا ہے - قرآنِ پاک کی کتابت کے سلسلہ میں غیر معمولی توجہ کی ضرورت ہے - کتاب کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے -

ضروری اعلان

ماہ نامہ ترجمان القرآن "منصبِ رسالت نمبر" کے پرچے دفتر میں موجود ہیں جو حضرات منگوانا چاہیں قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج کر یا وی - پی سے منگوا سکتے ہیں - قیمت فی پرچہ تین روپے پچاس پیسے ہے - ایک سے زائد خریدنے والوں کو ۲۵ ٪ کمیشن دیا جائے گا -

محصولڈاک بذمہ دفتر ہوگا

منیجر

۷	سلاجقہ	۳-۵۰	۱-۷۵
۸	حقیقتِ توحید	۱-۲۵	۰-۷۵
۹	انسانیت کی تعمیرِ نو	۳-۵۰	۱-۷۵
۱۰	دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار	۳-۷۵	۲-۰۰
۱۱	تنقیحات (سابقہ ایڈیشن)	۳-۵۰	۱-۷۵
۱۲	اقامتِ صلوٰۃ	۱-۰۰	۰-۵۰
۱۳	تعلیمات	۳-۰۰	۱-۵۰
۱۴	خطبات (سابقہ ایڈیشن)	۳-۵۰	۲-۵۰
۱۵	دعوتِ اسلامی میں خواتین کا حصہ	۰-۱۹	۰-۱۲
۱۶	ذمیوں کے حقوق	۰-۶۲	۰-۴۰
۱۷	یتیم پوتے کی وراثت	۰-۳۷	۰-۱۹
۱۸	ختم نبوت کے عمرانی پہلو	۰-۶۲	۰-۳۲
۱۹	مقدمہ مولانا مودودی	۰-۳۷	۰-۱۹
۲۰	اسلامی نظامِ معیشت	۰-۶۲	۰-۴۰
۲۱	اپنی اصلاح آپ (پرانا ایڈیشن)	۰-۴۱	۰-۲۵
۲۲	تلاشِ حق	۰-۳۱	۰-۱۶
۲۳	تبصرہ	۱-۲۵	۰-۷۵
۲۴	مولانا مودودی کا بیان (تحقیقاتی عدالت میں)	۰-۳۱	۰-۱۶
۲۵	اسلام اور ضبطِ ولادت (سابقہ ایڈیشن)	۱-۰۰	۰-۵۰
۲۶	جماعت اسلامی کا مقصد اور طریقِ کار (از صدرالدین)	۱-۰۰	۰-۵۰
۲۷	مشرقی پاکستان کے سیاسی حالات	۱-۲۵	۰-۶۲
۲۸	آپ کیا کریں	۱-۰۰	۰-۵۰
۲۹	سنتِ خیرالانامؐ	۳-۵۰	۱-۷۵
۳۰	ایک اہم استفتاء	۰-۱۹	۰-۱۰
۳۱	فتنوں کی حقیقت	۱-۰۰	۰-۶۲
۳۲	[illegible] اجتماع ہند	۳-۰۰	۱-۵۰
۳۳	تنقیدات	۳-۵۰	۱-۷۵
۳۴	حقیقتِ تقویٰ	۱-۱۲	۰-۶۹
۳۵	تحریکِ اسلامی دوسری تحریکوں کے مقابلہ میں	۱-۱۲	۰-۵۶
۳۶	اسلامی ریاست میں اطاعت کے شرائط	۰-۶۲	۰-۳۲
۳۷	مسئلۂ قومیت	۱-۵۰	۰-۷۵
۳۸	اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق	۰-۸۷	۰-۴۵

۳۹	پس چہ باید کرد اے اقوام غرب	۰-۵۰	۰-۲۵
۴۰	تفاسیر خرابیج	۱۴-۰	۷-۰
۴۱	اساس دین کی تعمیر	۳-۰۰	۲-۰۰
۴۲	توحید و رسالت کا عقلی ثبوت (سابقہ)	۰-۶۲	۰-۳۰
۴۳	آزادی کے اسلامی تقاضے	۰-۲۵	۰-۱۳
۴۴	فکر و نظر (از نعیم صدیقی)	۳-۰۰	۱-۵۰
۴۵	اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	۱-۵۰	۰-۹۰
۴۶	توضیحات	۳-۵۰	۱-۷۵
۴۷	اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی (سابقہ ایڈیشن)	۴-۰۰	۲-۵۰
۴۸	مرتد کی سزا	۰-۷۵	۰-۳۷
۴۹	سیاسی کشمکش حصہ سوم	۳-۰۰	۱-۵۰
۵۰	للکار (کلام یعقوب طاہر)	۱-۷۵	۰-۸۷
۵۱	اذان اور دوسرے افسانے	۳-۰۰	۱-۵۰
۵۲	مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات	۰-۳۷	۰-۱۹
۵۳	کلمہ طیبہ کے معنی	۰-۱۲	۰-۶
۵۴	عبادت	۰-۰۶	۰-۰۶
۵۵	دین حق	۰-۵۰	۰-۳۴
۵۶	بے لاگ محاکمہ	۱-۰۰	۰-۵۰
۵۷	اسلام کا نظریہ سیاسی	۰-۵۰	۰-۳۴
۵۸	مسئلہ جبر و قدر	۱-۲۵	۰-۶۲
۵۹	سلامتی کا راستہ	۰-۴۱	۰-۳۰

بچوں کی کتابیں

۱	نبیوں کے حالات حصہ اول	۴۱-۰	۰-۳۰
۲	" " " چہارم	۱-۵۰	۱-۰۰
۳	" " " سوم	۰-۵۰	۰-۳۷
۴	" " " دوم	۰-۵۰	۰-۳۷
۵	بھوک	۰-۳۱	۰-۲۱
۶	مجاہد کی ڈائری	۰-۳۱	۰-۲۱
۷	بچوں کا حساب	۰-۳۱	۰-۱۶
۸	پیارے رسولؐ	۰-۵۰	۰-۲۵
۹	انقلاب	-۴۱	۰-۳۰

۱۰	مرغ کا سالن	۰-۴۱	۰-۳۰
۱۱	عام معلومات اوّل	۰-۵۰	۰-۲۵
۱۲	" " دوم	۰-۸۷	۰-۴۴
۱۳	" " سوم	۱-۴۳	۰-۹۰
۱۴	باغ والے	۰-۴۱	۰-۳۰
۱۵	انسان کی کہانی	۰-۷۵	۰-۳۷
۱۶	پکی حویلی	۰-۴۱	۰-۳۰
۱۷	آسان ریاضی اوّل	۰-۶۲	۰-۳۰
۱۸	" " دوم	۱-۲۵	۰-۶۲
۱۹	حسناتی نظمیں	۰-۳۱	۰-۲۰
۲۰	پہلی کتاب	۰-۳۱	۰-۱۶
۲۱	تیسری کتاب	۰-۳۱	۰-۱۶
۲۲	سچی کامیابی	۰-۳۱	۰-۲۰
۲۳	ہماری کتاب اوّل	۰-۷۵	۰-۴۵
۲۴	" " دوم	۱-۰	۰-[illegible]
۲۵	" " سوم	۱-۲۵	۰-۷۵
۲۶	" " چہارم	۱-۳۷	۰-۸۰
۲۷	" " پنجم	۱-۳۷	۰-۸۰
۲۸	سنبچپر والے	۰-۳۱	۰-۲۰
۲۹	نماز	۰-۶۲	۰-۳۲
۳۰	کون ہے راجہ	۰-۳۱	۰-۲۰
۳۱	اخلاقی کہانیاں اوّل	۰-۴۴	۰-۳۰
۳۲	" " دوم	۰-۴۴	۰-۳۰
۳۳	" " سوم	۰-۵۰	۰-۳۷
۳۴	" " چہارم	۰-۵۰	۰-۳۷
۳۵	پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں	۰-۷۵	۰-۴۰
۳۶	ہاتھیوں والے	۰-۴۱	۰-۳۰
۳۷	بیٹے کو نصیحت	۰-۳۱	۰-۲۱
۳۸	خاموش تبلیغ	۰-۴۱	۰-۳۰
۳۹	سچ ہے بھئی سچ	۰-۴۱	۰-۳۰
۴۰	تبدیلی	۰-۳۱	۰-۲۰
۴۱	رحمت کا فرشتہ	۰-۳۱	۰-۲۱

دین کی خدمت کرنے والوں کیلئے ایک خصوصی رعایتی پیشکش

ہماری مختلف مطبوعات ایک عرصہ سے تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں۔ یہ اپنے مقصد میں جس حد تک کامیاب ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ تبلیغی مقاصد کو بطور احسن انجام دینے کے لیے ہم نے اپنی چند چیدہ چیدہ کتب کا ایک سٹ بنایا ہے تاکہ جو حضرات بندگانِ خدا تک اسلام کی دعوت پہنچانا چاہتے ہیں ان کو ایسی تبلیغی کتابوں کا ایک ایسا جامع مجموعہ مل جائے جو ہلکا پھلکا اور کم قیمت ہو اور دعوتِ اسلام کے متعدد پہلوؤں پر حاوی بھی۔ ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب ذیل (بیس ۲۰) کتب پر مشتمل ایک سٹ بنایا گیا ہے:

۱۔ توحید و رسالت اور زندگی بعد موت کا عقلی ثبوت	۱-۱۲
۲۔ سلامتی کا راستہ	۰-۷۸
۳۔ اسلام اور جاہلیت	۰-۸۷
۴۔ دینِ حق	۰-۸۷
۵۔ اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	۰-۸۷
۶۔ تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	۱-۱۲
۷۔ بناؤ اور بگاڑ	۰-۵۰
۸۔ جہاد فی سبیل اللہ	۰-۴۱
۹۔ شہادتِ حق	۰-۶۲
۱۰۔ مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل	۰-۸۷
۱۱۔ اسلام کا نظامِ حیات	۱-۰۰
۱۲۔ نیا نظامِ تعلیم	۰-۳۷
۱۳۔ اسلامی نظامِ تعلیم	۰-۶۲
۱۴۔ انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	۰-۶۲
۱۵۔ بیمۂ زندگی	۰-۵۰
۱۶۔ مسئلہ قربانی	۰-۵۰
۱۷۔ اسلام کا نظریۂ سیاسی	۰-۶۲
۱۸۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟	۰-۵۵
۱۹۔ اپنی اصلاح آپ	۰-۴۱
۲۰۔ ہدایات	۰-۷۸

ان سب کتابوں کی مجموعی قیمت ۱۴ روپے ہوتی ہے لیکن ہم نے طے کیا ہے کہ رعایتی طور پر:

۱۔ اگر آپ ایک پورا سٹ خریدیں تو ۱۴ روپے کی بجائے ۱۱ روپے قیمت لی جائے گی۔

۲۔ اگر آپ ۵ سٹ مکمل خریدیں تو ۷۰ روپے کی بجائے صرف ۵۰ روپے میں مہیا کریں گے۔

۳۔ ڈاک خرچ و پیکنگ بذمہ خریدار ہو گا۔

ہمیں امید ہے کہ آپ نہ صرف خود اس رعایتی پیشکش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے احباب کو بھی آمادہ کریں گے کہ اس موقع پر اس رعایتی پیش کش سے فائدہ اٹھائیں۔